ستمبر ۲۰۱۹ء

پاک جمہوریت

وزارت اطلاعات ونشریات کا جریدہ

جلد: 59 شمارہ: 03 رجسٹرڈ نمبر: CPL 41

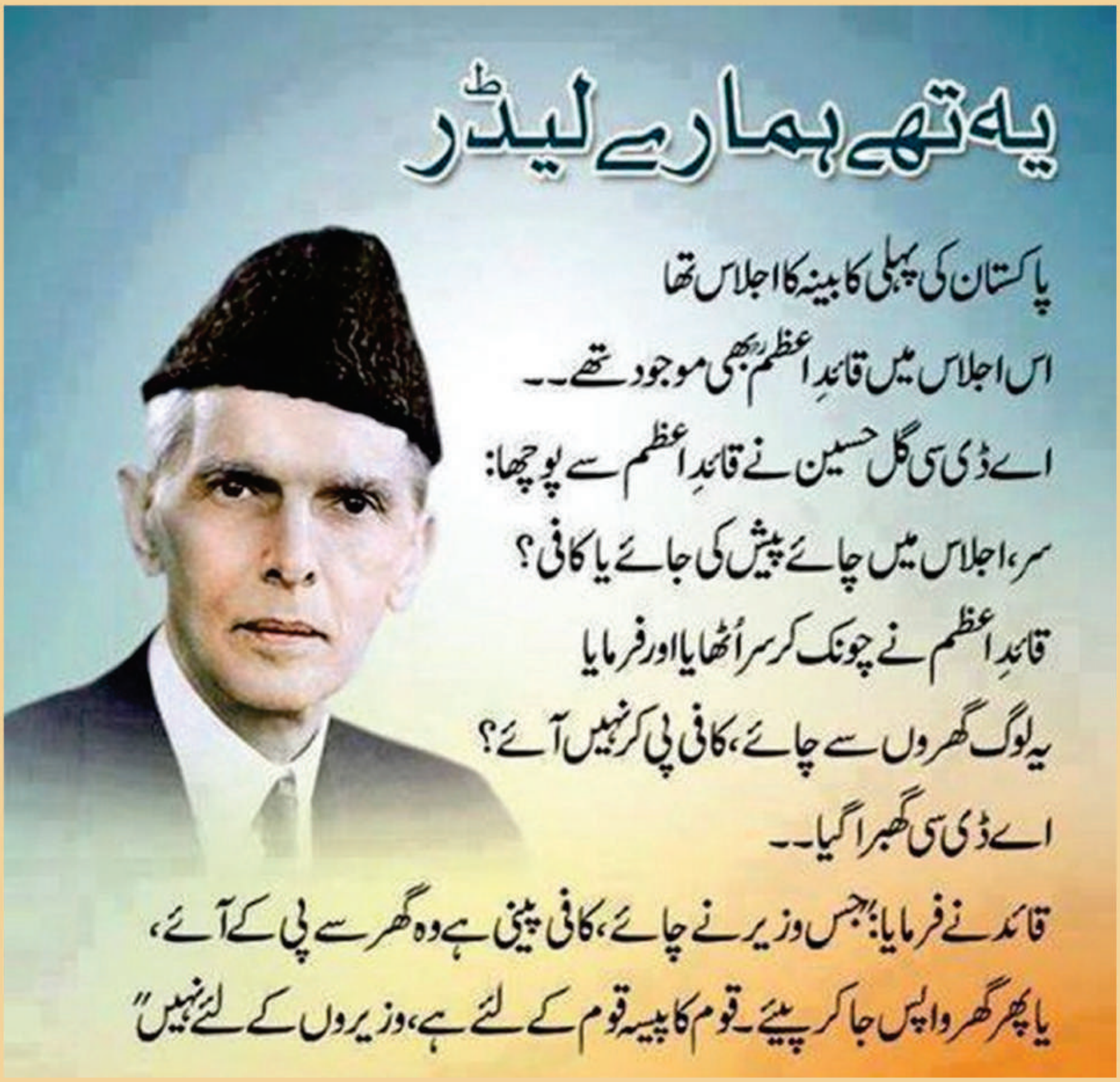
یہ تھے ہمارے لیڈر
پاکستان کی پہلی کابینہ کا اجلاس تھا
اس اجلاس میں قائدِ اعظمؒ بھی موجود تھے۔۔
اے ڈی سی گل حسین نے قائدِ اعظم سے پوچھا:
سر، اجلاس میں چائے پیش کی جائے یا کافی؟
قائدِ اعظم نے چونک کر سر اُٹھایا اور فرمایا
یہ لوگ گھروں سے چائے، کافی پی کر نہیں آئے؟
اے ڈی سی گھبرا گیا۔۔
قائد نے فرمایا: "جس وزیر نے چائے، کافی پینی ہے وہ گھر سے پی کے آئے،
یا پھر گھر واپس جا کر پیئے۔ قوم کا پیسہ قوم کے لئے ہے، وزیروں کے لئے نہیں"

پاک جمہوریت
ستمبر ۲۰۱۹ء
وزارت اطلاعات ونشریات کا جریدہ
جلد: 59 شمارہ: 03 رجسٹرڈ نمبر: CPL 41

فہرست

مضمون	مصنف	صفحہ
قائداعظم اور موجودہ پاکستان	شہباز انور خان	04
کشمیر پر کرم کہ ستم انتہا پہ ہے	منصور آفاق	08
یوم دفاع		
یوم دفاع کا تاریخی پس منظر	عبیرہ احمد	
جذبۂ دفاع اور عوام	محمد ظہیر بدر	19
افواجِ پاکستان		
ملکی سالمیت میں پاک فوج کا کردار	نزاہت خان	
ہنگامی صورتحال اور پاک فوج	مدحت فاطمہ	
ریاستی ادارے		
نیشنل ایکشن پلان کی کامیابی میں حکومت اور افواجِ پاکستان کا کردار	خالد منصور	32
پنجاب حکومت کا ایک سال اور سردار عثمان بزدار	ظہیر احمد سمرا	
معیشت		
موجودہ حکومت کی ٹیکس اصلاحات پالیسی	کنول افتخار	39
سندھ بیراج، انڈس ڈیلٹا کی خوشحالی کا عظیم منصوبہ	الطاف احمد خان	45
خارجہ پالیسی		
پاک امریکہ دورے کے نتائج	منظور قادر	
امریکہ اور افغان طالبان کے مابین مذاکرات	رضوان عطا	55
تعلیم وتفریح		
اداکار عابد علی	امتیاز احمد تارڑ	
گلوبل پنڈ	محمد نواز طاہر	58

نگران اعلیٰ: شاہرہ شاہد
نگران: محمد طاہر حسن
مجلس ادارت: شبیہہ عباس
رابعہ یوسف
کنزہ اشرف
سمیرہ لیاقت
میگزین ڈیزائن: شہزاد انور
پروف ریڈنگ: قاضی افضل

مدیر: mnlahore@yahoo.com
042-35201008
انتظامیہ: 042-35223278
ڈائریکٹوریٹ آف الیکٹرانک میڈیا اینڈ پبلی کیشنز
291۔اے، ایم اے جوہر ٹاؤن لاہور

قائداعظم اور موجودہ پاکستان

شہباز انور خان

گیارہ ستمبر ہر سال بانیٔ پاکستان کے یومِ وفات کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس روز مختلف جماعتوں، علمی، ادبی اور سماجی تنظیموں اور اداروں کی طرف سے خصوصی پروگرام ترتیب دیے جاتے ہیں جن میں بابائے قوم کو ان کی ملی و قومی خدمات کے اعتراف کے طور پر بھر پور خراجِ عقیدت پیش کیا جاتا ہے اور ان کے فرمودات پر عمل کرنے کی ضرورت پر زور دیا جاتا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح محض ایک سیاست داں ہی نہیں تھے وہ حقیقی معنوں میں ایک مدبر، ایک ماہرِ قانون اور ایک عہد ساز شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی اعلیٰ اخلاقی اقدار اور اصولوں کے مطابق بسر کی۔ وہ غیر معمولی قوت ارادی اور فولادی عزم رکھنے والے انسان تھے۔ انہوں نے ان تھک محنت، پیہم جدوجہد اور عزمِ صمیم کی بدولت نہ صرف قوم کو انگریز اور ہندو کی غلامی سے نجات دلائی بلکہ ایک آزاد و خود مختار، جمہوری، فلاحی ریاست کی بنیاد بھی رکھی۔ وہ قانون پسند تھے اور جمہوری قدروں پر یقین رکھتے تھے۔ وہ ایسے راست باز اور اصول پسند سیاست داں تھے کہ جن کی عظمتِ کردار کے اپنے اور مخالف سب ہی معترف ہیں۔

انہوں نے تمام عمر قانون کی حکمرانی کو حرزِ جاں بنائے رکھا اور کبھی مصلحت کا شکار نہیں ہوئے۔ ان کا شمار دنیا کے ان سیاستدانوں میں ہوتا ہے کہ جن پر کبھی بھی شخصی کمزوریوں، کردار کی کجی، مفاد پرستی اور مصلحت کوشی کی تہمت نہیں لگائی جا سکی۔ وہ کامیابی کے حصول کے لیے کسی شارٹ کٹ کے قائل نہیں تھے بلکہ محنت، جدوجہد اور پیہم کاوش پر یقین رکھتے تھے۔

جس دور میں قائداعظم نے مسلمانانِ برصغیر کی قیادت سنبھالی مسلمان معاشی بدحالی، علمی پسماندگی اور سماجی نا انصافی کا شکار تھے۔ صدیوں تک خطے پر حکمرانی کرنے کے بعد اپنی بد اعمالیوں کے باعث اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ لالچ، خوف، طمع، مفاد پرستی، دنیاوی جاہ پرستی نے انہیں ذلیل و رسوا کر رکھا تھا۔ انگریز ان پر مسلط ہو گئے تھے۔ اگرچہ اس عرصہ میں بہت سے اکابرین اور مصلحین نے مسلمانوں کی عظمت رفتہ بحال کرنے، انہیں اس مایوسی سے نجات دلانے اور ان کے خفتہ مقدر کو جگانے کی سعی کی کہ اس دبی راکھ میں چنگاری پیدا ہو سکے لیکن انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب حالات نے قدرے پلٹا کھایا اور انگریز سامراج کا تسلط کمزور ہونے لگا تو ہندو راج کے خدشات سر پر منڈلانے لگے۔ اس صورت حال میں حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال ملت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینے کے لیے آگے بڑھے اور قافلہء درماندہ کو درست سمت دینے کے لیے بھر پور کردار ادا کیا۔ اس دوران ان کی نگہ انتخاب ایک ایسے آفتاب پر پڑی جس کی ضوفشانی نے مسلمانانِ ہند کو حوصلے اور امید کی کرن دکھائی اور اسے اس کی منزل کا پتا دیا۔

یہ آفتاب محمد علی جناح تھے جنہیں بعد میں قوم نے قائداعظم کا خطاب دیا۔ قائداعظم نے اپنے عزم و استقلال، تدبر و حکمت اور فہم و ادارک کی بدولت مسلمانانِ ہند کی ڈولتی کشتی کو نہ صرف سہارا دیا بلکہ اسے

بلکہ اسے کنارے تک پہنچانے کا خوش گوار فریضہ بھی انجام دیا۔
مسلمانانِ ہند نے بھی قائداعظم کو نجات دہندہ تصور کرتے ہوئے ان کی قیادت میں جدوجہد کی اور آسمانِ دنیا نے دیکھا کہ اس عظیم قائد نے صرف سات سال کی مختصر مدت میں مطالبۂ پاکستان کا مقدمہ اس مضبوطی کے ساتھ لڑا کہ فرنگی اور ہندو چاروں شانے چت ہو گئے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر ایک آزاد و خودمختار ملک پاکستان کے نام سے وجود میں آیا۔ گویا وہ دیرینہ خواب جو قوم ایک عرصہ سے دیکھتی چلی آ رہی تھی وہ تعبیر آشنا ہوا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قائداعظم کی کرشماتی شخصیت ہی کا کمال تھا کہ نوزائیدہ مملکت نامساعد حالات اور بے سروسامانی کے باوجود اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی۔ ورنہ ہندو قیادت تو اسے چند ماہ کی مہمان تصور کرتی تھی۔ اس عرصہ کے دوران قائداعظم اپنی قوم کو حوصلہ، ہمت اور استقامت کے ساتھ مسائل کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کا سبق دیتے رہے۔ یہ اس قوم کی بدقسمتی تھی کہ قائداعظم محمد علی جناح قیامِ پاکستان کے صرف تیرہ ماہ بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

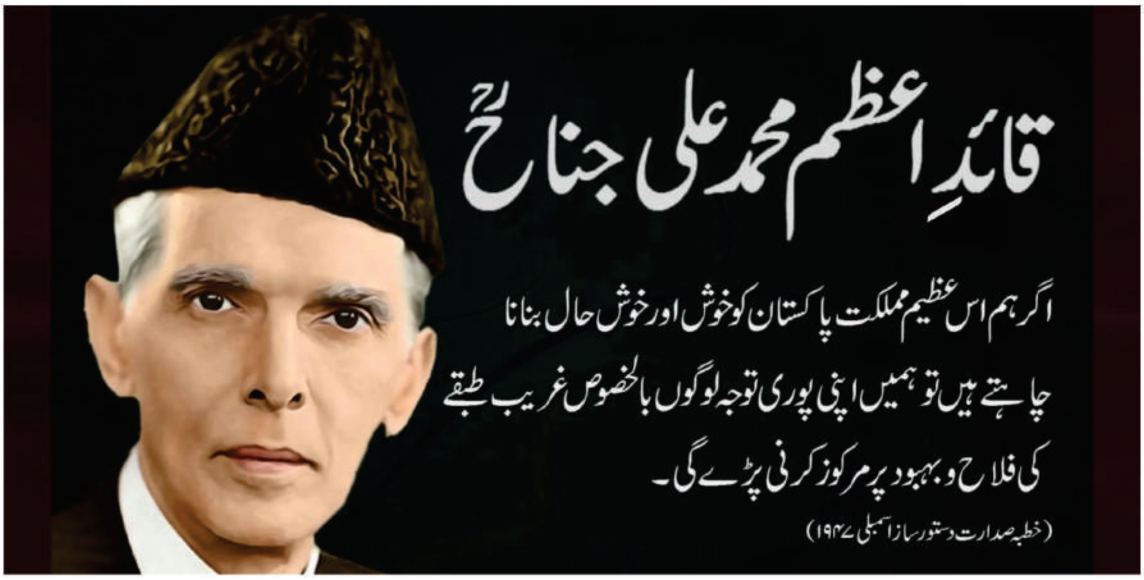

قیام پاکستان کی منزل پا لینے کے بعد بابائے قوم نے اس مملکت خداداد کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے دن رات ایک کر دیا۔ انہوں نے اپنی گرتی ہوئی صحت کی بھی پروا نہیں کی اور اپنی حیاتِ مستعار کا ایک ایک لمحہ ملک و قوم کے لیے وقف کر دیا۔ نومولود ریاست کو بہت سے مسائل و مشکلات کا سامنا تھا۔ انتظامی ڈھانچے کی تشکیل، بے خانماں افراد کی بحالی، داخلہ و خارجہ معاشی و دفاعی پالیسیوں کا تعین، آئین ساز اسمبلی کے قیام جیسے چیلنج درپیش تھے جن کے حل کے لیے ایک تجربہ کار ٹیم کی ضرورت تھی۔ آپ کے پرخلوص ساتھی لیاقت علی خان، سردار عبدالرّب نشتر، راجہ غضنفر علی وغیرہ آپ کی ابتدائی ٹیم میں شامل تھے۔

ان کے آنکھیں موندنے کے چند سال بعد اکتوبر ۱۹۵۱ء میں بابائے ملت نوابزادہ لیاقت علی خان کو شہید کر دیا گیا۔ ان کی شہادت کے بعد سے اس ملک کے خلاف سازشوں کا ایسا جال بنا گیا کہ جس نے پاکستان اور اس قوم کی جان آج تک نہیں چھوڑی۔ وہ لوگ جنہوں نے قائداعظم کی بے مثال قیادت میں اس ریاست کے قیام میں (دامے، درمے، قدمے، سخنے) حصہ لیا تھا انہیں آہستہ آہستہ اُمورِ مملکت سے الگ کیا جانے لگا اور طالع آزما، مفاد پرست لوگ اس پر قابض ہوتے چلے گئے۔ گویا منزل انہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے اور جن کا قیامِ پاکستان میں کوئی کردار نہیں تھا وہ اس کے سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے۔

وہ ملک جس کی بنیاد ہی جمہوریت پر رکھی گئی تھی وہ جمہوریت کی پٹڑی ہی سے اُتار دیا گیا۔ آمریت اور شخصی حکمرانی نے اپنے پنجے اس پر گاڑنا شروع کر دیے۔ قائداعظم کا نصب العین کیا تھا، وہ کس قسم کا پاکستان چاہتے تھے اور ان کی خواہشات اور آدرش کیا تھے؟

اس کے بارے میں یوں تو ان کی تقاریر، بیانات وغیرہ سے دفتر بھرے پڑے ہیں لیکن اختصار کے پیشِ نظر اس سلسلے میں ان کی محض چند ایک تقاریر اور بیانات کا حوالہ دینا کافی ہوگا۔

۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو دستور ساز اسمبلی پاکستان میں خطبۂ صدارت دیتے ہوئے آپ کا کہنا تھا کہ ''ہر شخص خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو، اس کا رنگ، نسل، مذہب کچھ ہی ہو، اوّل و آخر اس مملکت کا شہری ہے اور اس کے حقوق و مراعات اور ذمہ داریاں مساوی اور یکساں ہیں'' ......۲۴ اگست ۱۹۴۷ء کو اپنے ایک اخباری بیان میں انہوں نے کہا کہ ''میں پاکستان کے ہر مسلمان مرد اور عورت سے کہتا ہوں کہ وہ اس کی تعمیر کریں تا کہ وہ اقوامِ عالم میں اپنے لیے معزز مقام پیدا کر سکیں''۔

۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو مشرقی پاکستان کے شہر چٹاگانگ (حالیہ بنگلہ دیش) میں جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''ہم نے پاکستان کا مطالبہ اس لیے کیا تھا، اس کی خاطر اس لیے جدوجہد کی تھی اور اسے اس لیے حاصل کیا تھا کہ ہم اپنی روایات کے مطابق اپنے معاملات کو حل کرنے میں جسمانی اور روحانی نقطہ نظر سے مکمل طور پر آزاد ہوں۔ اخوت، مساوات، رواداری یہ ہمارے مذہب، تہذیب اور تمدن کے بنیادی نکات ہیں۔

ہم نے ان عظیم تصورات کے لیے جدوجہد کی اسی لیے پاکستان اور اس کی جدوجہد کی کہانی عظیم انسانی خیالات و تصورات کو عملی جامہ پہنانے کی داستان ہے۔'' نظامِ حکومت کے حوالے سے ۲۷ مارچ ۱۹۴۷ء کو میمن چیمبر آف کامرس، ممبئی میں خطاب کرتے ہوئے بابائے قوم نے کہا کہ ''جمہوریت مسلمانوں کے رگ و پے میں موجود ہے اور ہم نے ہمیشہ مساوات، اخوت اور استقلال کو پیشِ نظر رکھا ہے، اسلام میں کوئی ایسا موقع محل نہیں ہے جہاں کوئی فردِ واحد اپنی من مانی کر سکے''۔

۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو سول افسروں سے خطاب میں قائداعظم نے کہا تھا کہ ''پاکستان کو معرضِ وجود میں لانا مقصود بالذات نہیں بلکہ کسی مقصد کے حصول کے ذریعے کا درجہ رکھتا ہے ہمارا نصب العین یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کی تخلیق کریں جہاں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں۔ جو ہماری تہذیب و تمدن کی روشنی میں پھلے پھولے اور جہاں معاشرتی انصاف کے اسلامی تصور کو پوری طرح پنپنے کا موقع ملے''۔

انتظامیہ کے ضمن میں اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے ۲۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو چٹاگانگ میں سرکاری ملازمین سے خطاب میں کہا ''آپ خواہ کسی بھی محکمے میں کام کرتے ہوں، لوگوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ اور سلوک خوش اخلاقی پر مبنی ہونا چاہیے۔ لوگوں کو یہ محسوس کروائیے کہ آپ ان کے ملازم اور دوست ہیں، عزت و تکریم، انصاف اور غیر جانبداری کا اعلیٰ ترین معیار قائم کیجئے۔ اپنے عوام کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ محبت، شفقت اور انکساری سے ان کے معاملات سلجھائیے۔

کبھی کبھی کسی ضدی اور باتونی شخص سے مل کر آپ کو تکلیف ہوگی جو بار بار ایک بات کی رٹ لگائے رکھے گا لیکن آپ برداشت کیجئے، صبر و تحمل سے کام لیجئے اور اسے احساس دلائیے کہ اس کے ساتھ انصاف ہوگا، ضرور ہوگا'۔

اسی طرح ۱۲ اپریل ۱۹۴۸ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا ''یاد رکھئے کہ آپ کی حکومت آپ کے ذاتی باغ کی مانند ہے۔ آپ کے باغ کے پھلنے پھولنے اور پروان چڑھنے کا انحصار اس پر ہے کہ آپ اس کی کتنی نگہبانی کرتے ہیں اور اس کی کیاریوں اور روشوں کو بنانے اور سنوارنے میں کس قدر محنت کرتے ہیں۔ آپ کی حکومت بھی اسی طرح صرف آپ کی وطن پرستانہ مخلصانہ اور تعمیری کوششوں کی بنا پر ترقی کر سکتی ہے۔ حکومت میں اصلاح کا واحد طریقہ آپ کی بے لوث محنت ہے''۔

یہ وہ اعلیٰ نصب العین تھا جو قائداعظم نے پاکستان کے حوالے سے دنیا کے سامنے پیش کیا اور اپنی قوم کو راہ عمل کے طور پر بتایا۔ انہوں نے قوم کو ایمان، اتحاد، تنظیم اور یقین محکم کا درس دیا۔ وہ خود ڈسپلن کے قائل تھے اور قوم کو بھی ڈسپلن کی تعلیم دی۔ لیکن قائد کے ان افکار و نظریات کی روشنی میں آج جب ہم اپنے ملک کی صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں انتہائی مایوسی اور دکھ ہوتا ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جس ملک کے قیام کے لیے ہم نے لاکھوں جانوں کا نذرانہ پیش کیا، اور عزت و عصمت کی قربانیاں دیں، گھروں سے بے گھر ہوئے اور اپنا مال متاع لٹایا وہ آج قائد کے نظریات کا عکس پیش نہیں کرتا۔ ہم نے اپنے قائد کے نظریات اور فرمودات کو یکسر فراموش کر دیا ہے۔

آج بابائے قوم اور بانئ پاکستان کی روح یقینی طور پر پریشان ہوگی کہ جس ریاست کوانہوں نے انصاف، قانون، انسانی حقوق اور جمہوریت کی علامت کے طور پر دنیامیں قائم رکھنے کے لیے اپنی زندگی بتا دی آج وہاں ان کی خواہشوں، خوابوں اور آدرشوں کا گلاگھونٹ دیا گیا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی مخلصانہ اور جرات مندانہ قیادت میں مسلمانان ہند نے لازوال قربانیوں کا نذرانہ دے کر انگریز اور ہندو کی غلامی سے نجات پائی مگر اس کے بعد ہمیں اپنے ہی حکمرانوں کی غلامی کے شکنجے میں دھکیل دیا گیا۔

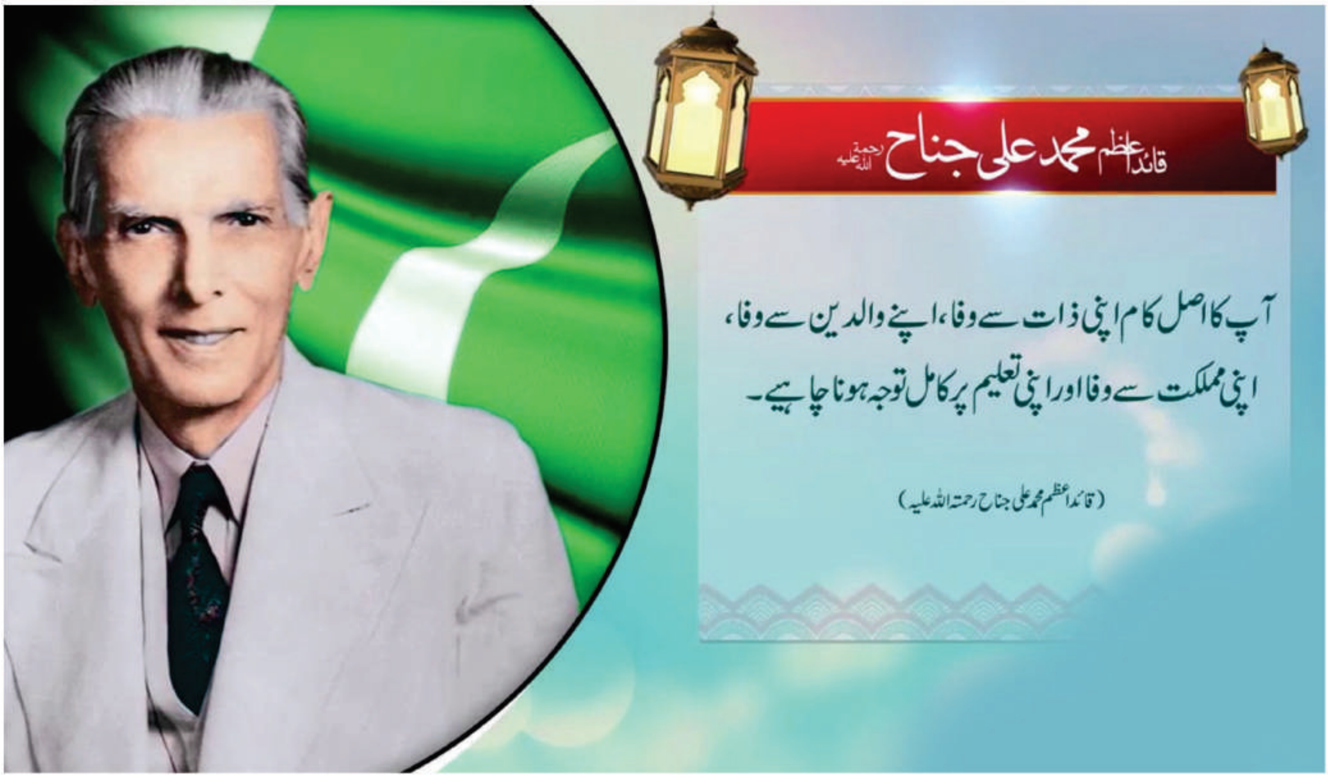

یہ وہ پاکستان ہے ہی نہیں جس کی بنیاد قائداعظم نے رکھی تھی۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اپنے قائد کے فرمودات اور افکار کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ (ایک ایٹمی قوت ہونے کے باوجود) ہم دنیا میں ذلیل ورسوا ہو چکے ہیں۔

اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ قائداعظم محمد علی جناح اور پھر قائد ملت نوابزادہ لیاقت علی خان کے وصال کے بعد ملک کی قیادت جن لوگوں نے سنبھالی وہ اس ملک اور قوم سے قطعی طور پر مخلص نہیں تھے۔ انہوں نے ان قائدین کے نظریات سے انحراف کیا اور ملک کو فوجی اور سول آمریتوں کی آماجگاہ بنا دیا۔

اس غلامی سے نجات پانے اور دنیا کی اقوام میں ایک باعزت مقام حاصل کرنے کے لیے ہمیں ازسرِنو قائداعظم کے افکار و نظریات سے رجوع کرنے اور پورے اخلاصِ نیت کے ساتھ ان پر کاربند ہونے کی ضرورت ہے۔ صرف اسی صورت میں ہم اس وطن کو حقیقی معنوں ایک آزاد و خود مختار، جدید اسلامی، فلاحی اور جمہوری ریاست بنانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

کشمیر پر کرم کہ ستم انتہا پہ ہے

منصور آفاق

امریکی ریاست ہیوسٹن کی فیڈرل ڈسٹرکٹ کورٹ میں ایک بھارتی کشمیری نژاد امریکی شہری نے نریندر مودی، بھارتی وزیر داخلہ اور مقبوضہ کشمیر میں تعینات فوج کے سربراہ کنول جیت سنگھ ڈھلوں کے خلاف مقدمہ دائر کیا ہے کہ انہوں نے کشمیر کو جہنم بنا رکھا ہے وہاں انسانیت سوز مظالم جاری ہیں اور کشمیر کو انسانی تاریخ کی سب سے بڑی اور ہولناک جیل میں بدل دیا گیا ہے۔ عدالت نے نریندر مودی کے سمن جاری کر دیئے ہیں۔ سمن ڈاک کے ذریعے ہیوسٹن میں بھارتی قونصل جنرل کو پہنچ چکے ہیں۔ یہ مقدمہ امریکی قانون ''ٹارچر ڈوکٹم پروٹیکشن'' ایکٹ کے تحت دائر کیا گیا ہے۔ پہلی بار کسی امریکی عدالت نے کسی غیر امریکی وزیراعظم کے خلاف سمن جاری کئے ہیں۔ وزیراعظم بننے سے پہلے گجرات میں قتل عام کرانے کے سبب نریندر مودی پر امریکہ میں داخلے پر عدالتی پابندی عائد تھی۔ عمران خان نے یو این او میں اپنی تقریر میں بھی اس بات کا ذکر کیا۔ عمران خان کی تقریر عمومی طور پر دنیا بھر میں اور خصوصی طور پر اسلامی ممالک میں بڑے غور سے سنی گئی۔ اس پینتالیس منٹ کی تقریر نے انہیں ڈیڑھ ارب مسلمانوں کا لیڈر بنا دیا۔ ان کی تقریر سنتے ہوئے ایک سعودی شہزادے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ دفتر خارجہ کے مطابق وزیراعظم کی تقریر کے دوران ہال میں موجود بہت سے مسلمان رہنما روتے رہے۔ جنرل اسمبلی میں خطاب کے دوران پانچ بار تالیاں بجائی گئیں۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے کہا۔ ''یو این اور اسلام، عالم اسلام اور کشمیر سے متعلق عمران خان نے اپنا مقدمہ بہترین انداز میں پیش کیا۔ شاندار تقریر کی میں بار دیگر مبارک باد دیتا ہوں۔'' گارڈین نے لکھا۔ سری نگر کے نواح میں ایک اسکول ٹیچر نذیر احمد نے کہا، ''ہمیں واقعی امید ہے کہ یہ رہنما ہمیں تنازعات اور جبر سے چھڑانے کے لئے کچھ کرے گا۔ تنازعہ ایک کینسر کی طرح ہے جس میں زندگی کے ہر پہلو کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اور کشمیری اب کئی دہائیوں سے اس کینسر کے اندر رہ رہے ہیں۔'' انڈیپنڈنٹ نے لکھا۔ ''پاکستان پہلی بار ایک عالمی پلیئر کے طور پر سامنے آیا ہے''۔ اس تقریر کے بعد ایک انڈین مسلمان نے فیس بک پر لکھا۔

''مجھے کشمیری کہتے ہیں میں برہان وانی مسلم ہوں
میرا عمران لیڈر رہے میں ہندوستانی مسلم ہوں''

بے شک عمران خان نے یو این او میں جہاں دنیا کے تمام مسلمانوں کی نمائندگی کی ہے وہاں خاص طور پر انڈین مسلمانوں کا ذکر کیا ہے جو ہندو فاشزم کا شکار ہیں۔ انڈیا جہاں ایک اور پاکستان کی تحریک آزادی شروع ہے۔ شاعر ایسی نظمیں کہہ رہے ہیں۔

مسلمانو! نظر آئے عجب امکان بھارت میں
نیا ہونا ہے پھر تشکیل پاکستان بھارت میں
شروع اِک اور ہونے کو ہے پھر تحریک آزادی

نیا اٹھنے لگا تقسیم کا طوفان بھارت میں
نکل آیا ہے سورج بابری مسجد کے مقتل سے
اُجالا لایا ہے گجرات کا شمشان بھارت میں
اسی ہند سے محمدؐ کو ہوائیں ٹھنڈی آتی تھیں
اُسی کے امتی ہونے کو ہیں سلطان بھارت میں

کر کے واپس پاکستان آنے لگے تو ان کے طیارے میں فنی خرابی پیدا ہوئی۔ اطلاع یہ ہے کہ امریکی حکام دیکھ رہے ہیں کہ پرواز سے پہلے عمران خان کے طیارے کو چیک کرنے والوں میں بھارتی نژاد انجینئر کتنے تھے۔ یقیناً اس تقریر کی گونج دنیا بھر میں مسئلہ کشمیر کے حل تک سنائی دیتی رہے گی۔ پوری دنیا نے اس تقریر کو بڑی سنجیدگی سے لیا ہے۔ پہلی بار دنیا کو کسی ملک کے حکمران نے ایٹمی جنگ کی وارننگ دی ہے۔ دنیا کسی ایٹمی جنگ کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ عمران

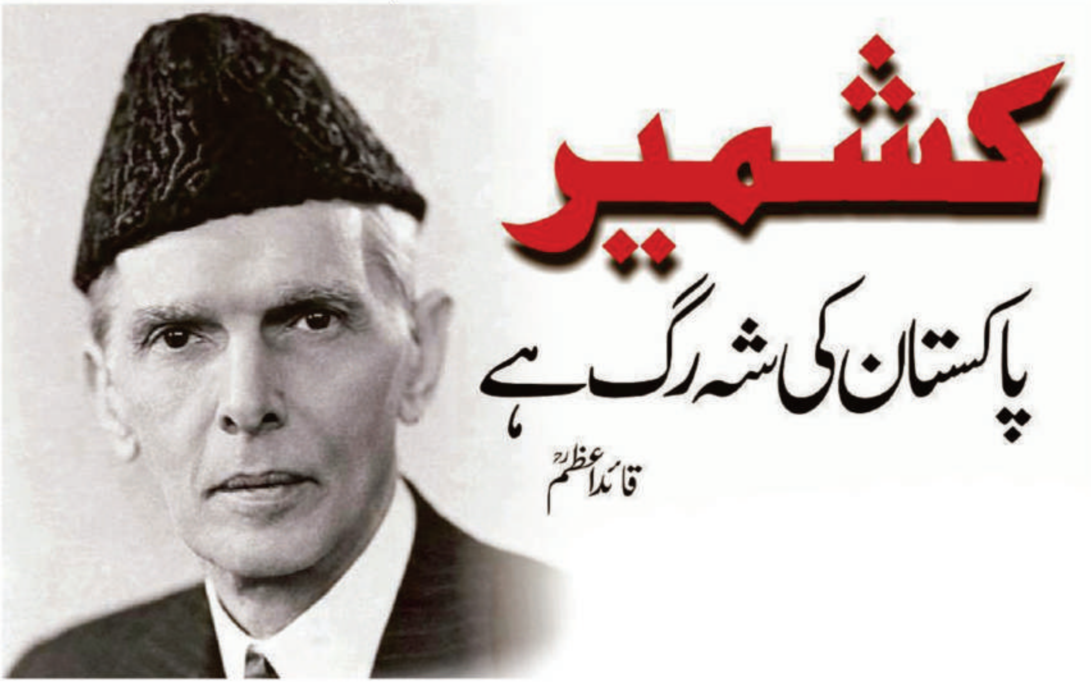

خان کی تقریر کے فوراً بعد امریکہ نے بھارت سے مطالبہ کیا کہ وہ فوری طور پر کشمیر میں کرفیو ختم کرے۔ یو این او کے سیکریٹری جنرل انتونیو گتریز بھی پوری طرح پاکستان کی حمایت کر رہے ہیں۔ انہوں نے کشمیریوں کے حق میں بیان دیا ہے۔ نریندر مودی نے ناراضی کے اظہار کے طور پر ان سے رسمی ملاقات بھی نہیں کی حالانکہ یہ اقوام متحدہ کی روایت ہے کہ جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنے والے سربراہان اپنے قیام کے دوران سیکریٹری جنرل سے ضرور ملتے ہیں۔ ٹرمپ نے بھی مودی کو گلوکار ایلوس ایرون پریسلے سے تشبیہ

مسلمانوں کی حق تلفی کچھ ایسے جیسے حیواں ہوں
فقط ہندو کو سمجھا جاتا ہے انسان بھارت میں
نئی اک سرزمین بننے لگی ہے دیدہ و دل میں
گڑھی پرتاب سے اٹھنے لگے عمران بھارت میں

عمران خان کی یہ تقریر اس وقت دہشت گرد بھارت کے سینے میں خنجر کی طرح پیوست ہوچکی ہے۔ عمران خان جب سومنات کا صنم کدہ ویراں

دے کر اس کا مذاق اڑایا۔ ایلوس پریسلے سنجیدہ امریکی حلقوں میں اچھی نظر سے نہیں دیکھے جاتے۔ ان کے خیال میں امریکی تہذیب و ثقافت کی بربادی کی پہلی اینٹ ایلوس پریسلے نے رکھی تھی۔

بے شک عمران خان کو ایک ایسا پاکستان ورثے میں ملا تھا جس کا اسد عمر کے بقول دیوالیہ نکل چکا تھا مگر اعلان نہیں کیا گیا تھا۔ عمران خان نے بڑی کامیابی سے اس کی معیشت کو لوٹ مار کے اندھے کنویں سے باہر نکالا۔ ملک کو روشنیوں کی سمت دی۔ اپنے آپ کو احتساب کیلئے پیش کیا اور ثابت کیا کہ ان کے دامن پر کرپشن کی کوئی چھینٹ نہیں ہے۔ بے شک معیشت کی بہتری کیلئے سخت فیصلے کرنے پڑے جن کے سبب تنقید بھی ہوئی۔ وقتی طور پر عوام پریشان ہوئے مگر انشاء اللہ پاکستان کا مستقبل بہت تابناک ہیں۔ ہم بہت تھوڑے وقت میں معاشی بدحالی سے باہر نکل آئیں گے۔

عالمی سطح پر جیو پولیٹیکل صورتحال پر عمران خان کا کردار قابلِ ستائش ہے۔ انہوں نے امریکہ کی ایران اور طالبان سے جنگ میں ثالثی کیلئے ہاتھ آگے بڑھایا تو ڈونلڈ ٹرمپ نے نہایت گرم جوشی سے تھام لیا۔ پاکستان اس سلسلے میں بڑی تیزی سے کام کر رہا ہے۔ طالبان کے رویے میں لچک آئی ہے۔ انہوں نے افغان علاقوں میں صحت کے شعبے میں کام کرنے والوں کی نقل و حرکت پر پابندی ختم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ عمران خان کی ایرانی صدر حسن روحانی سے ملاقات کے بعد ایران کے رویے میں بھی ذرا سی نرمی آئی ہے۔ اگر عمران خان نے سعودی عرب، ایران، طالبان اور امریکہ میں صلح کرا لی تو ان کی مسلم اُمہ کے لیڈر کی حیثیت مسلمہ ہو جائے گی۔

بے شک ایک طرف اسرائیل اور دوسری طرف آئر لینڈ تک پاکستانی ایٹمی میزائل بارہ منٹ میں پہنچ سکتے ہیں لیکن ہم نے یہ میزائل ان ممالک کے لئے نہیں بنائے۔ ہماری دشمنی بھارت کے ساتھ ہے اور اس کی واحد وجہ کشمیر پر بھارت کا ناجائز قبضہ ہے۔ یہ دشمنی صرف ہماری طرف سے نہیں ہے۔ بھارت کی بھی ہمارے ساتھ دشمنی ہے، اس نے دل سے آج تک پاکستان کو تسلیم نہیں کیا۔ اس کے اسباب اکھنڈ بھارت یعنی دھرتی ماتا کے فلسفے سے پھوٹتے ہیں۔ ''ہندوتوا'' نے مجبور کیا تو بھٹو نے کہا ''گھاس کھا لیں گے مگر ایٹم بم بنائیں گے۔'' نریندر مودی نے مجبور کیا تو عمران خان نے کہا ''پاکستانی قوم کشمیر کے لئے ٹیپو سلطان کی طرح آخری سانس تک لڑتی رہے گی۔'' ہم ہندو انتہا پسندوں کے توسیع پسند عزائم کے خلاف چار جنگیں لڑ چکے ہیں۔

ہم نے اپنے میزائلوں کے نام تک انہی مسلمان سپہ سالاروں کے نام پر رکھے جنہوں نے ہندوتوا کو اپنے انجام تک پہنچایا۔ ہم نے ایک میزائل کا نام غوری رکھا تو دوسرے کا غزنوی، تیسرے کا ابدالی۔ یہ نام بھارتی میزائلوں کے ناموں کو سامنے رکھ کر رکھے گئے۔ غوری کا نام بھارت کے پرتھوی میزائل کے جواب میں رکھا گیا۔ محمد غوری بارہویں صدی کے ایک مسلمان سپہ سالار تھے جنہوں نے شمالی ہندوستان کے حکمران پرتھوی راج چوہان کے ساتھ دو جنگیں لڑی تھی۔

محمود غزنوی گیارہویں صدی کے حکمران تھے جنہوں نے ہندوستان کو فتح کیا تھا اسی طرح احمد شاہ ابدالی بھی اٹھارہویں صدی کے فاتح ہند تھے۔ ہم نے سرکاری طور پر کبھی ان ناموں کی وضاحت نہیں کی لیکن ان ناموں سے ہماری سوچوں کا کُھل کر اظہار ہوتا ہے۔

بھارت کے ساتھ کشیدگی ایک تاریخی تسلسل سے چلی آرہی ہے۔ کسی وقت بھی اس گرم آتش فشاں سے لاوے کا دریا اُبل سکتا ہے اور پورا برصغیر بلکہ آدھی دنیا راکھ کے ڈھیر میں بدل سکتی ہے۔ مودی گجرات کی طرح کشمیر میں بھی مسلمانوں کی نسل کُشی کا پروگرام ترتیب دے چکا ہے۔ کسی نئے ہولو کاسٹ کا خطرہ ہے۔ دونوں ممالک کے سفارتی تعلقات تقریباً ختم ہو چکے ہیں۔

فضائی حدود بند کی جانے والی ہیں۔ کشمیری گوریلا وار شروع کر چکے ہیں۔ عمران خان نے پوری قوم سے کہا ہے کہ وہ ہر ہفتے کشمیر کے لئے کم از کم آدھا گھنٹہ ضرور احتجاج کرے۔

پاکستان میں ہندوؤں اور انگریزوں کے نام پر جتنی جگہیں، جتنے شہر تھے ہم نے پاکستان بننے کے بعد انہیں تبدیل کر دیا، صرف ہسپتال اور سکول رہنے دیئے حتیٰ کہ لائل پور کا نام بھی فیصل آباد رکھ دیا۔ بھارت کے ساتھ موجودہ کشیدگی کے بعد شریف فیملی کو چاہیے کہ وہ سچ مچ ''جاتی امرا'' کا نام بدل دے۔ یہ ایک ہندو نام ہے۔ ہندو ازم کی یاد دلاتا ہے۔ اس کا لفظی مفہوم ہے امرا کی تبع میں چلنے والی جماعت، عمرہ قدیم زمانہ کا ایک مشہور سادھو تھا۔

نوازشریف نے اپنے دورِ اقتدار میں کشمیر کی جنگ کبھی نہیں لڑی۔ان پر ہر دور میں بھارت نوازی کا الزام آیا کیونکہ وہ بھارت کے ساتھ کاروباری روابط بڑھانا چاہتے تھے۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نوازشریف نظریاتی طور پر اب ویسے پاکستانی نہیں رہے جیسے بارہ اکتوبر۱۹۹۹ء سے پہلے تھے۔

پرویز مشرف کے مارشل لا سے نکلنے والے عرصہ جلاوطنی نے ان کی سوچ میں کافی تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ایسا سوچنے اور سمجھنے والے بہت سے لوگ ہیں۔ایسے لوگ ثبوت کے طور پر ان کی چودہ اگست ۲۰۱۱ء کی وہ تقریر پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے کہا تھا ''ہمارا ایک ہی کلچر ہے، ہماری ایک ہی ہیرٹیج ہے، ایک ہی معاشرے کے ہم لوگ تھے بس بیچ میں ایک بارڈر آ گیا ہے۔باقی تو ایک ہی سوسائٹی کے ہم ممبران ہیں۔ہمارا ایک ہی بیک گراؤنڈ ہے۔'' کچھ ایسی باتیں نوازشریف نے مظفر آباد آزاد کشمیر میں بھی کی تھیں۔

ہندوستان نے ٹینک خریدے تو ہم نے بھی لازم کرلیا کہ ہم نے بھی ٹینک خریدنے ہیں۔ابھی امتیاز صاحب نے موٹروے کی بات کی ہے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ واہگہ سے آگے ہندوستان اس موٹروے کو بناتا اور یہی موٹروے کلکتہ تک جاتی۔ہمارے ایٹمی دھماکے ہوئے۔ویسے میں ہندوستان کا شکرگزار ہوں کہ اس نے پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔اس کی نوبت اگر نہ آتی تو بہت اچھا ہوتا۔جس کو آپ رب کہتے ہیں، ہم بھی اسی کو رب کہتے ہیں۔جس کو آپ پوجتے ہیں ہم بھی اسی کو پوجتے ہیں۔جناب دیکھئے! ایک طرف تو لاہور ڈکلیریشن ہو رہا ہے اور دوسری طرف کارگل کا ایڈونچر بلکہ ایڈونچر کر کے میری پیٹھ میں چُھرا گھونپا گیا''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نوازشریف بھارت اور پاکستان کے درمیان اچھے مراسم چاہتے تھے۔اس لئے کشمیر پر انہوں نے توجہ نہ دی، نریندر مودی سے دوستی بڑھاتے رہے۔اب کشمیر کا مسئلہ جہاں پہنچ گیا ہے وہاں اسے نظرانداز کرنا نون لیگ کے لئے ممکن نہیں رہا۔شہباز شریف نے مودی کے خلاف سخت زبان استعمال کی ہے۔نون لیگ کا مجموعی طور پر مؤقف کشمیر پر وہی ہے جو حکومت کا ہے مگر اب بھی نون لیگ بھارت کے خلاف جارحانہ بات کرتے ہوئے لاشعوری طور پر خوف زدہ ہو جاتی ہے۔

اپنی تقریر میں نوازشریف کہتے ہیں۔''ملٹری میں ہم کسی قسم کی ریس نہیں چاہتے۔میرے نزدیک پاکستان اور ہندوستان کی یہ بدنصیبی رہی ہے کہ ہم دونوں اسلحہ کی ریس میں شامل رہے ہیں۔ہندوستان اگر مگ ۲۷ کے پیچھے بھاگتا رہا ہے تو ہم ایف ۱۶ کے پیچھے بھاگتے رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نوازشریف بھارت اور پاکستان کے درمیان اچھے مراسم چاہتے تھے۔اس لئے کشمیر پر انہوں نے توجہ نہ دی، نریندر مودی سے دوستی بڑھاتے رہے۔اب کشمیر کا مسئلہ جہاں پہنچ گیا ہے وہاں اسے نظرانداز کرنا نون لیگ کے لئے ممکن نہیں رہا۔شہباز شریف نے مودی کے خلاف سخت زبان استعمال کی ہے۔

نون لیگ کا مجموعی طور پر مؤقف کشمیر پر وہی ہے جو حکومت کا ہے مگر اب بھی نون لیگ بھارت کے خلاف جارحانہ بات کرتے ہوئے لاشعوری طور پر خوف زدہ ہو جاتی ہے۔ قومی اسمبلی میں جب عمران خان نے شہباز شریف سے کہا کہ بتایئے! آپ کیا چاہتے میں کشمیر کے لئے اور کیا کروں، کیا بھارت پر حملہ کر دوں؟ شہباز شریف لیڈر ہوتے تو کہہ دیتے ''ہاں ہمیں مقبوضہ کشمیر کے محاذ پر حملہ کر دینا چاہیے۔''

مولا تجھے نمازِ تہجد کا واسطہ
دم دم فروغ اسم محمدؐ کا واسطہ
کشمیر پر کرم کہ ستم انتہا پہ ہے
یہ کربلائے شامِ الم انتہا پہ ہے
وحشت سرائے محبت غم انتہا پہ ہے
کشمیر کو چرایا گیا ایک ایک کوس
نکلے ہیں ٹینک ظلم کے گرد و غبار سے

مقبوضہ کشمیر میں کرفیو کے دن جیسے جیسے بڑھتے جا رہے ہیں جنگ کے امکانات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ خدشہ ہے کہ کشمیر کے معاملہ میں بھارت دنیا کے بڑھتے ہوئے دباؤ کو کم کرنے کے لئے جنگ نہ چھیڑ دے۔ وائس آف امریکہ کے مطابق ایک امریکی تھنک ٹینک نے تنبیہہ کی ہے کہ مسئلہ کشمیر پر بھارت اور پاکستان کے درمیان جوہری جنگ کے خطرات بڑھ گئے ہیں۔ خاص طور پر بھارتی کشمیر پر بھارت اور پاکستان کے درمیان جوہری جنگ کے خطرات بڑھ گئے ہیں۔ خاص طور پر بھارتی وزیر دفاع کے بیان کے بعد کہ ہم پہل کرنے کا بھی سوچ سکتے ہیں۔ سوچتا ہوں کہ بھارت میں دماغ کے ساتھ سوچنے والے لوگ کہاں چلے گئے ہیں۔ بہرِ حال موجودہ صورت حال میں دوا اور دعا دونوں کی ضرورت ہے۔

آیا ہے خاک و خون کا موسم گزار خیر
برپا ہر اِک مکاں میں ہے ماتم گزار خیر
قیدی تمام لوگ ہیں باہم گزار خیر
ہم سے نہیں گزرتی شبِ غم گزار خیر
بہتے ہوئے چنار بدن چوم چوم کر

نکلے ہیں ٹینک ظلم کے گرد و غبار سے
آیا ہے خاک و خون کا موسم گزار خیر
برپا ہر اِک مکاں میں ہے ماتم گزار خیر
قیدی تمام لوگ ہیں باہم گزار خیر
ہم سے نہیں گزرتی شبِ غم گزار خیر
بہتے ہوئے چنار بدن چوم چوم کر
آتش صفت چکوٹھی کے ساحل کے ساتھ ساتھ
لوٹائے وارثوں کو شہیدوں کی میتیں
آئیں سری نگر سے امیدوں کی میتیں
سنتی ہے داؤ کھن کی گلی ان کی یاد میں
لیپا سے قاضی ناگ کی پُر شور سسکیاں
ہر صبح دیکھتی ہے چناری بچشم نم کا آبشار

گرتا ہے آسمان سے کہیں چھم کا آبشار
نارنجی لگ رہے تھے ہوا کے سفید گال
چپ چاپ چل رہی تھی پرندوں کی ایک ڈا
یک لخت ایک چیخ سے وادی لرز اُٹھی
بارود کی سرنگ پہ اِک بھورے ریچھ نے
رکھا قدم تو موت اگلنے لگی زمیں
اِک فاختہ کے پر بھی فضا میں بکھر گئے
اِک پیڑ ہم مقام شہیدوں کا ہو گیا
وادی تمام شوق شہادت میں کھو گئی
سب آ گئے وہ چشمۂ کوثر کے آس پاس
اِک ساقی حیات کے منظر کے آس پاس

پاک جمہوریت ستمبر ۲۰۱۹ء

یوم دفاع کا تاریخی پس منظر

عبیرہ احمد

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کا دن پاکستان میں قومی سطح پر دفاعی جوش و جذبے کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ یہ دن وطن کی مٹی کے ساتھ اس عہد کی تجدید کا دن ہے جو پاکستان کی غیور عوام اور شجاع افواج نے اس نوخیز مملکت کے ساتھ اس وقت نبھایا تھا جب دشمن ملک نے اس کی سرحدوں پر جارحانہ پیش قدمی کی تھی۔ بھارت کو اس جنگ کے نتیجے میں تاریخی شکست اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ سترہ دن جاری رہنے والی اس جنگ میں جہاں افواجِ پاکستان نے اپنی بہترین عسکری صلاحیتوں کا لوہا منوایا وہیں پاکستان کی غیور اور جذبۂ ایمان سے لبریز عوام نے بھی افواجِ پاکستان کے ساتھ یک جہتی کی ایک مثال قائم کی۔

ستمبر کی ۲۳ تاریخ کو اقوام متحدہ کی کوششوں سے جنگ بندی عمل میں آئی۔ بھارتی افواج کو اس جنگ میں بے حساب نقصان اٹھانا پڑا۔ جنگ کے پہلے ہی دن سو سے زائد بھارتی فوجی لقمہءاجل بنے۔ بھارتی جنگی طیاروں کا ناقابلِ تلافی نقصان ہوا۔ دشمن کو ہر محاذ پر پسپا ہونا پڑا۔ چونڈہ سیکٹر پر پاک فوج کے جوانوں نے جسم سے بم باندھ کر دشمن کے پیش قدمی کرتے ہوئے ٹینکوں کو نیست و نابود کر ڈالا۔ سمندروں میں پاکستانی بحری بیڑے دفاعِ وطن کے لیے سرگرم رہے۔ جنگ کے دوسرے ہی دن سات ستمبر کو پاکستان کے پاس موجود واحد آب دوز پی این ایس غازی نے دوارکا نام کے بھارتی کوسٹل ٹاؤن کو صرف بیس منٹوں میں تباہ کر ڈالا۔ یہ پاکستان اور بھارت کے بیچ پہلا بحری آپریشن تھا جس کے بعد بھارت بحری محاذ پر بالکل بے دست و پا ہو کر رہ گیا۔ آٹھ ستمبر کو بھارت نے سیالکوٹ سیکٹر پر بڑی دراندازی کی۔ یہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد ٹینکوں کی سب سے بڑی جنگ تھی۔ دو دن تک جاری رہنے والی اس جنگی کاروائی اور پاکستان کی جانب سے جوابی حملوں کے بعد بھارت کو اس محاذ پر بھی پسپائی کا سامنا کرنا پڑا۔ بھارتی افواج کو سیالکوٹ سیکٹر سے بھاگنا پڑا۔ چار سو کے قریب ٹینک تباہ ہوئے۔ سیالکوٹ کے پرانے قلعے میں نمائش کے لیے رکھے گئے مفتوحہ بھارتی ٹینک آج بھی بھارتی افواج کی شرمناک شکست کی یاد دلاتے ہیں۔ لاہور پر تین جانب سے ہونے والی پیش قدمی کا دندان شکن جواب دیا گیا۔ افواجِ پاکستان نے دیگر فتوحات کے علاوہ کھیم کرن کا علاقہ بھی فتح کیا۔ راجستھان کے علاقے میں بھی پاکستانی افواج بھارتی ریلوے سٹیشن پر پاکستانی جھنڈا لہرانے میں کامیاب ہوئیں۔ بھارتی فضائیہ کے اہم مراکز ہلواڑہ اور پٹھان کوٹ کے فضائی مراکز پر پاک فوج نے بھرپور حملے کیے اور بھارتی فضائیہ کے پچانوے لڑاکا طیارہ تباہ کر دیے۔ سرگودھا میں حملہ آور بھارتی طیاروں کو سکوارڈن لیڈر ایم ایم عالم نے نشانہ بنایا اور چند سیکنڈ میں پانچ لڑاکا طیاروں کو مار گرانے کا عالمی ریکارڈ قائم کیا۔

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغِ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ
(اقبالؒ)

مشاہدے میں آتا ہے کہ اس جنگ کے دوران قوم کے مزاج میں بہت مثبت تبدیلی آئی۔ عسکری قیادت، سیاسی جماعتیں، فلاحی اور مذہبی ادارے اور عوام الغرض پوری پاکستانی قوم گویا ایک جسدِ واحد کی طرح ہو گئی۔ عوام کا منتشر ہجوم ایک خاندان کی صورت منظّم ہو گیا۔ اس سلسلے میں جنگ کے عینی شاہدین کے تاثرات آج بھی روح کو گرما دیتے ہیں۔ اپنے زمانہ طالب علمی میں چھڑنے والی اس جنگ کی یادیں تازہ کرتے ہوئے ایک بزرگ

خاتون کہتی ہیں:

''مشرقی و مغربی پاکستان اس وقت ایک چہرے کی دو آنکھوں کے مانند تھے۔ یہی شوقِ شہادت اور ولولہ گیارہ سو میل کے فاصلے پر بھی موج زن تھا۔''

یوم دفاع کی یادیں تازہ کرتے ہوئے وہ آب دیدہ ہو گئیں:

''پہلے پہل یوم دفاع کا اعلان کیا گیا تو عوام کا جذبہ دیدنی تھا۔ وہی جوش جو جنگ کے سترہ دنوں میں ایک لحظہ کو ماند نہ پڑا تھا، پھر عود کر آیا تھا۔ قومی تعطیل کو اس شان سے منایا گیا کہ کوئی فرد گھر پر نہ رہا۔ سرکاری اور نجی عمارتوں پر قومی پرچم لہرائے گئے، شیرینیاں بانٹی گئیں، پکوان چڑھے، غرباء میں تقسیم ہوئے، فاتحہ خوانی ہوئی، شہدا کی قبروں پر عوام و خواص کا ہجوم رہا۔ شہدا کی تصاویر ہر اہم مقام پر آویزاں نظر آتی تھیں۔ ہر مرد، ہر بچہ اور

ہر عورت مجاہد تھی۔ مسیحی برادری کا جوش و خروش بھی دیدنی تھا۔ محدود وسائل اور سامان حرب کی قلت کے باوجود افواج پاکستان کا پلا بھاری رہا۔ قوم اقبالؒ کے اس شعر کی تفسیر نظر آتی تھی''۔

کافر ہو تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

ایک بزرگ جو ایام جوانی میں بہ سلسلہ ملازمت لاہور میں مقیم تھے پرانی یادیں تازہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''دشمن نے حملہ کیا تو بس ایک لمحہ خوف کا تھا اس کے بعد پوری قوم جیسے سیسہ پلائی دیوار بن گئی۔ پاکستان کی دفاعی تاریخ کے ان یادگار دنوں کی یادیں بھی عجیب ہیں۔ ایسی ولولہ انگیزی اس سے پہلے کبھی نظر نہ آئی تھی۔ لاہور کی تسخیر سے متعلق بے بنیاد خبریں بی بی سی ایسے معتبر ادارے کی طرف سے جاری کی جا رہی تھیں۔ دوسری جانب لاہوریوں کا جذبہ عروج پر تھا۔ جنگی جہاز نیچی پرواز کرتے ہوئے آتے تو نہتی عوام خندقوں میں پناہ لینے کے بجائے ڈنڈے ہاتھوں میں تھامے چھتوں پہ چڑھ جاتی۔ فوج کے جوانوں کی شجاعت کا تو کہنا ہی کیا! میں عینی شاہد ہوں کہ دریائے راوی کے قریب دشمن کے فضائی حملوں کو روکنے کے لیے ایک توپ نصب کی گئی تھی۔ جنگی جہازوں کو آتا دیکھ کر توپچی والہانہ ناچتا، علی علی کے نعرے لگاتا اور توپ کا دھانہ کھل جاتا۔''

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا
(اقبالؒ)

مسلمان قوم کے کبھی ماند نہ پڑنے والے شوقِ شہادت کے اعتراف اور مسلح افواج کی قربانیوں کی یاد میں پاکستان میں سرکاری سطح پر ہر سال یہ دن اسی شان سے منایا جاتا رہا ہے۔اس موقع پر منعقد کی جانے والی سرکاری تقریبات میں سالانہ پریڈ، اسلحے کی نمائش، اہم مقامات پر مسلح دستوں کی تبدیلی اور گارڈ آف آنر کا سلامی پیش کرنا، سرکاری دفاتر اور عمارتوں پر پرچم کشائی اور قومی سطح کے ایوارڈز کی تقسیم شامل ہیں۔ان تقاریب میں عوام کی بڑی تعداد بطور حاضرین شرکت کرتی ہے۔ٹیلیویژن پر ان تقاریب کا احوال براہ راست نشر کیا جاتا ہے۔سرکاری ذرائع مواصلات کے ذریعے ڈاکومینٹری پروگرام، ملی نغمے، مشاہیر کے انٹرویو اور افواج پاکستان کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے مختلف نوعیت کے پروگرام نشر کیے جاتے ہیں۔مساجد میں نوافل اور خصوصی دعاؤں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

جہاں، مالا،نسیم بیگم، مہدی حسن، سلیم رضا اور ناہید نیازی شامل ہیں۔شہدا کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے گلوکارہ مالا کا گایا ہوا گیت مت سمجھو ہم نے بھلا دیا بے حد مقبول ہوا۔

اخبارات و رسائل کے خصوصی ایڈیشنز کی اشاعت کو بھی دفاع پاکستان کی تاریخ میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔اردو ڈائجسٹ کا مستحکم دفاع نمبر اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔یوم دفاع پر شائع ہونے والے اخبارات کے خصوصی ایڈیشن خاص طور پر روزنامہ جنگ،نوائے وقت،ڈان اہمیت کے حامل ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان پرامن تعلقات خطے میں قیام امن کے لیے ناگزیر ہیں لیکن بھارتی سیاسی قیادت کے جارحانہ رویے اور غیر دانشمندانہ اقدام ہمیشہ پرامن تعلقات کے قیام میں سدراہ رہے ہیں۔یوم دفاع قیام

۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران اور اس کے بعد مختلف فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والے فن کاروں نے بھی اپنے فن کو وطن عزیز کی سالمیت کے لیے وقف کر دیا۔صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، جمیل الدین عالی، منظور احمر، تنویر نقوی اور حمایت علی شاعر کے لکھے ہوئے ملی نغمے آج بھی یوم دفاع اور یوم آزادی کے روز وطن کے طول و عرض میں گونجتے ہیں۔ان لازوال نغموں کو آواز عطا کرنے والے گلوکاروں میں شوکت علی، ملکہ ترنم نور

امن کی خواہش کے ایک باضابطہ اظہار کے ساتھ ساتھ اس امر کی بھی یاد دہانی کراتا ہے کہ وطن عزیز کی افواج اور سیاسی قیادت دفاع وطن کے محاذ پر ہمیشہ متحد اور مستعد رہی ہیں اور ضرورت پڑنے پر اپنی تمام تر دفاعی اور عسکری صلاحیتوں کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہونے کی قوت رکھتی ہیں۔

قرآن مجید کی سورۃ الانفال آیت نمبر ۶۰ میں اللہ فرماتا ہے:

''اے مسلمانو تم جس قدر استطاعت رکھتے ہو ان (کفار) کے لیے قوت اور طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو۔ تاکہ تم اس سے خدا کے دشمن اور اپنے دشمن اور ان کھلے دشمنوں کے علاوہ دوسرے لوگوں (منافقوں) کو خوف زدہ کر سکو جن کو تم نہیں جانتے لیکن اللہ ان کو جانتا ہے اور تم جو کچھ اللہ کی راہ (جہاد) میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کسی طرح ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

اللہ سے فتح و نصرت طلب کرتے ہوئے جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت کے ساتھ دفاعی آلات اور عسکری قوتوں میں اضافہ اور اس کا اظہار افواج پاکستان کا امتیاز رہا ہے۔

وہی ہے بندۂ حر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ ضرب ہے جس کی تمام عیاری
(اقبالؒ)

نوجوان نسل کے دل و دماغ میں وطن عزیز کے دفاع کی اہمیت راسخ کرنے کے لیے یوم دفاع کی نظریاتی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ پاکستان میں ۶ ستمبر ۲۰۱۹ء کو یوم دفاع، یوم یکجہتی کشمیر کے طور پر منایا گیا۔ مسئلہ کشمیر جو آج بھی حل طلب ہے ۱۹۶۵ء کی جنگ کا ایک اہم محرک تھا۔ موجودہ حالات میں مقبوضہ کشمیر میں بڑھتی ہوئی بھارتی جارحیت اور بہیمانہ کارروائیوں کے تناظر میں دفاع وطن کی روح اس امر کا تقاضہ کرتی ہے کہ قومی سطح کے اس دن کو مسئلہ کشمیر پر ایک آزاد قوم کے موقف کی وضاحت اور کشمیر کے حق خود ارادیت کی حمایت کے لیے وقف کیا جائے۔

جذبۂ دفاع اورعوام

محمد ظہیر بدر

میں آج جب جذبۂ دفاع اورعوام کے موضوع پر مضمون قلم بند کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا تو میرا دھیان اچانک ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کی طرف چلا گیا۔ جب بھارتی افواج نے رات کی تاریکی میں واہگہ بارڈر لاہور پر حملہ کیا۔ اس وقت میری عمر سات سال تھی۔ ریڈیو کے اردگرد لوگ بیٹھے صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کی تقریر سن رہے تھے۔ مگر میں وہ تقریر سننے والوں کے چہروں پر پڑھ رہا تھا۔ جب تقریر ختم ہوئی تو سب نے مل کر پاک فوج زندہ باد، پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ گھروں میں تقریر سے پہلے جو منظر نامہ تھا تقریر کے بعد بالکل بدل چکا تھا۔ ریڈیو پر ملی نغمے گونجنے لگے۔ محلے کے بچے، ہم ننھے ننھے جلوس نکالتے اور پاکستان زندہ باد، بھارتی سامراج مردہ باد کے نعرے لگاتے۔ بڑے بزرگ ہمیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے۔ ہمیں جب خبر ملتی کہ سڑک سے کوئی فوجی کانوائے گذر رہا ہے ہم دوڑے دوڑے سڑک کے کنارے پہنچ کر کھڑے ہوجاتے۔ جونہی فوجی ٹرک گذرتا ہم تالیاں بجا کر پاک فوج زندہ باد کے نعرے لگا کر ان کا استقبال کرتے۔ فوجی جوان بھی بہت محبت سے ہاتھ اٹھا کر پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگا کر جواب دیتے۔ اسی دوران پتا چلا کہ شہری دفاع کے لیے ہمارے محلے سے رضا کار بھرتی کیے جا رہے ہیں۔ میرے بڑے بھائی جو مجھ سے کوئی چھے سال بڑے تھے انھوں نے خاکی رنگ کی وردی اور سبز رنگ کی ٹوپی خریدی یا ابا نے لاکر دی تھی بہرحال وہ وردی پہن کر وہاں پہنچ گئے۔ اگلے دن ان کی دیکھا دیکھی میں بھی پہنچ گیا۔ یونٹ کے سربراہ نے جو شاید کوئی فوجی تھا نے کہا۔ ''بیٹا آپ کے جذبے کو سلام، مجھے غزوۂ بدر یاد آ گیا''، یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں (آنکھیں بھیگنے کی وجہ مجھے بہت سال بعد جب میرے جذبے جواں ہوئے تب سمجھ آئی)۔ اس نے پیار سے میرا گال تھپتھپایا اور کہا ابھی تم بہت چھوٹے ہو۔ میں نے ضد کرنے والے انداز میں کہا۔ کیوں میرے بھائی کو تو آپ نے بھرتی کرلیا ہے۔ انھوں نے کہا۔ بیٹا وہ تم سے بڑا ہے۔ میں نے کہا پھر کیا ہوا۔ مجھے بالکل نہیں پتا تھا کہ شہری دفاع کیا بلا ہے رضا کار کیا کرتے ہیں۔ بس اتنا سنا تھا کہ فوج دشمن کے ساتھ سرحد پر لڑتی ہے اور رضا کار فوج کی مدد کرتے ہیں۔ دن بھر جہازوں کو آسمان پر پرواز کرتے اور سائرن بجنے کی آوازیں جو پہلے دن ڈراتی تھیں۔ اب کان ان آوازوں اور اس منظر کے عادی ہوگئے تھے۔ اب انتظار رہتا کہ کب سائرن ہو اور فضا پر جہاز شاہینوں کی طرح اڈاریاں مارتے نظر آئیں۔

یہ واقعہ سنانے کا مطلب یہ ہے کہ جذبۂ دفاع کا نخل کس طرح عوام میں بویا جاتا ہے اور کون بوتا ہے اور اس کے ملک کے عسکری لشکر پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جذبۂ دفاع بھی دیگر حیاتِ انسانی کی طرح اس کے ماحول اور معاشرتی خدوخال سے مشروط ہوتا ہے۔ ستمبر پینسٹھ کی جنگ نے یہ ثابت کیا کہ ہمیشہ جذبے ہی سرحدوں پر لڑنے والوں کو توانائی پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر محاذ جنگ پر اگلی صفوں میں لڑتے ہوئے دشمن کے دانت کھٹے کرکے لوٹنے والے غازیوں کے انٹرویوز اور تاثرات سے پتا چلا کہ ''جب ہمیں پتا چلتا کہ ساری قوم ہمارے ساتھ ہے۔ ریڈیو پر ہمارے شاعر، گلوکار، صداکار اپنا فن اور سڑکوں پر ہمارے ہم وطن ہمارے لیے اپنا تن من

دھن ہمارے لیے نچھاور کررہے ہیں تو ہمارے اندر دشمن کے سامنے ڈٹ جانے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر پیش قدمی کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ ہمیں اسی جذبے کی غیرت دشمن تڑتوٹ تڑنے کا تحرک دیتی تھی"۔

اورابھی چنددن پہلے عالمی سطح پر معروف مصورِ اقبال، اسلم کمال کی پینٹنگ منظرِ عام پر آئی ہے۔ جس میں انھوں نے ایک خوبصورت دوشیزہ کے گلے میں پھانسی کا پھندا دکھایا ہے جو مودی نام کے ایم کے ایک ڈنڈے سے لٹک رہا ہے۔ اس تصویر میں خوبصورت دوشیزہ کشمیر کی علامت ہے جسے مودی نے پھانسی کا پھندا دے رکھا ہے حالیہ دنوں کشمیر پر بھارتی حکومت کی آئینی اور بھارتی فوج کی مسلح یورش پر وہ طبقۂ دانشوراں کی تنہا نمائندگی کرنے کے لیے یہ تصویر مختلف اداروں میں لے جا کر اس کی نمائش کرتے ہیں اور ماضی کے پاکستانی عوام کے جذبہ دفاع کی کہانیاں سناتے ہیں۔

ایک ملاقات میں انھوں نے پینسٹھ کی جنگ میں عوام الناس کے جذبہ ٔوطن کا ذکر کرتے ہوئے ایک بہت ہی دل افزا واقعہ سنایا۔ "یہ تو سارا پاکستان جانتا ہے اور حکومت پاکستان اس کے اعتراف میں میڈم نور جہاں کو ملکۂ ترنم کے خطاب سے بھی نواز چکی ہے۔ ملکہ ترنم نے وطن کے سجیلے جوانوں کے لیے اپنی بیٹی ظل ہما کو بیماری کی حالت میں ہسپتال داخل کروا کر ریڈیو پاکستان آکر ملی نغمے ریکارڈ کروائے ان نغموں نے نہ صرف فوجی بھائیوں کا لہو گرمایا بلکہ عوام میں بھی جذبات کی شدت بھر دی تھی"۔ اسلم کمال نے بتایا۔ کہ ان کی عمر اس وقت بائیس سال تھی وہ سٹیشن ڈائریکٹر کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ ساتھ میں میڈم نور جہاں بھی موجود تھیں۔ اسی دوران صوفی تبسم ترانہ (یہ پتر ہٹاں تے نہیں وکدے) لکھ کر لائے۔

میڈیم ریکارڈنگ کے لیے گنگنا رہی تھی کہ اسی دوران خطرے کا سائرن بجا اور سب لوگ جن میں میں بھی شامل تھا اٹھ کر دفتر کے سامنے کھدے مورچے کی طرف چلے گئے۔ لیکن میڈم نور جہاں وہیں بیٹھی اس ترانے کی ریہرسل کرتی رہیں۔ اسلم کمال جب اپنی یادیں اجال رہے تھے تو ان کے اور سننے والوں کی آنکھوں میں آنسو اور حُبِ وطن سے سرشاری دل پر دستک دے رہی تھی۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ اِس سترہ روزہ جنگ کے دوران وطنِ عزیز میں کسی تھانے میں چوری ڈکیتی کی واردات رپورٹ نہیں ہوئی۔

ملک میں اشیائے خورونوش اور اشیائے ضروریہ کی قلت یا دام بڑھنے کی کوئی شکایت سننے کو نہ ملی۔ جذبہ ٔدفاعِ وطن ہر ہر پاکستانی کا طُرہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک نوزائیدہ ملک اپنے سے کئی گنا بڑے ملک کو شکست دے کر مذاکرات کی میز پر لے آیا۔ کیونکہ جنگیں اسلحے اور سامان حرب سے نہیں جذبوں سے لڑی جاتی ہیں۔ چونڈہ اور واہگہ بارڈر کے معرکے اس بات کا زندہ ثبوت ہیں۔ جب دشمن چونڈہ (سیالکوٹ) میں ٹینکوں اور واہگہ (لاہور) بارڈر پر بکتر بند گاڑیوں اور بھاری اسلحے سے لیس دستوں کے ساتھ چڑھ دوڑا تو کس طرح جری افواجِ پاکستان نے اپنے محدود آلات حرب کے ساتھ اس یلغار کو روکا۔ کیونکہ انھیں اس بات کا احساس تھا کہ ساری قوم ان کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہے اور یہ حق و باطل کی جنگ ہے۔ موجودہ آزاد کشمیر بھی جذبوں کی انہیں داستان سناتا ہے۔ جو اہل کشمیر کو پاکستان کے غیور عوام کا تحفہ ہے۔

۱۹۴۷ء-۱۹۴۸ء کی جنگ کشمیر میں جذبوں سے سرشار قبائلی لشکر بھارتی فوجی سورماؤں پر چڑھ دوڑا۔ اگر اس وقت کا بھارتی وزیر اعظم بغل میں چھری منہ میں رام رام کا مظاہرہ کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے پاؤں نہ پڑتا تو آج کشمیر کا تاریک جغرافیہ بدل چکا ہوتا۔ حصول مقصد کے لیے جذبے کی اہمیت کی مثال یوں بھی دی جاسکتی ہے۔ اگر میدان جنگ میں دو مسلح سپاہی آمنے سامنے موجود ہیں تو ان میں زندہ وہی رہے گا جو پھرتی دکھا کر فائر کرنے میں پہل کرے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ پھرتی کیسے آئے گی۔ اگر غور کیا جائے تو اس پھرتی کا تحرّک جذبہ ہی ہے۔ چنانچہ فتح کے لیے لازم بندوق نہیں بلکہ جذبہ ہے۔

تاریخِ انسانی میں بدر کا معرکہ جس کے بارے میں اقبال نے لکھا۔ معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق۔

بدر، حق و باطل کا وہ معرکہ تھا جس میں افراد کی کثرت اور اسلحے کی بہتات کے سامنے جذبے سینہ سپر تھے۔ چنانچہ مسلمان وہ جنگ جیت گئے۔ لیکن جب جنگ حنین میں مسلمانوں کا لشکر اور سامان حرب بدر سے کہیں زیادہ تھا۔ جذبے سرد پڑنے لگے تو دشمن کے پہلے ہی ہلے نے ان کے قدم اکھاڑ دیے۔ چنانچہ اس پسپائی نے مسلمانوں میں پھر سے غزوۂ بدر کا جذبہ پیدا کیا اور وہ بے جگری سے لڑے اور ظفریاب ہوئے۔ زمانہ وسطیٰ میں آئیں اور دیکھیں کہ جو جنگ جاپان نے ایٹم بم سے ہاری تھی۔

اس کے جذبہ حب وطن نے چند دہائیوں میں اس کی شکست کو اپنے قومی استحکام میں تبدیل کر دیا۔ آج جاپان کا نام دنیا کی باوقار اور ترقی یافتہ اقوام میں لیا جاتا ہے۔ اسی لیے اقبال نے کہا تھا ؎

اگر لٹ گیا اِک نشیمن تو کیا غم
مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

چنانچہ اس وقت جب دنیا کو پھر معرکہ رُوح و بدن پیش ہے اور عالمی طاقتیں وطن عزیز کو جنگ کی طرف دھکیلنے کی منصوبہ بندی کر کے اس کی جغرافیائی اہمیت کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے کے لیے جال بچھا رہی ہے۔ ایسے میں جذبہ وطن کی نمود و افزائش ہی ملکی بقا کی ضامن ہے۔ ہمیں اپنی بقا اور فلاح کی راہ میں آنے والی اندرونی و بیرونی ہر رکاوٹ خواہ وہ معاشی ہو، معاشرتی ہو یا سیاسی اس کو جذبہ حب الوطنی ہی سے دور کرنا ہے۔

سیاسی، سماجی، علمی و مذہبی طبقوں کے ساتھ ساتھ اساتذہ و والدین، خاص طور پر ماؤں، کا کردار بہت اہم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قومی ادارے، خصوصاً قومی تعلیمی ادارے بہت اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ فی زمانہ میڈیا اور شوشل میڈیا کے اثرات عوام پر براہ راست مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے پیچھے بھی اگر باریک بینی سے دیکھا جائے تو جذبہ ہی تو کارفرما ہوتا ہے۔

ہمیں میڈیا کشمیریوں پر ہونے والے مظالم کی پل پل خبر دے رہا ہے۔ کیونکہ میڈیا کا یہی کام ہے۔ لیکن یہ بھی میڈیا ہی بتا رہا ہے کہ دنیا بھر میں نہ صرف کشمیری بلکہ عامتہ الناس میں بھی جذبۂ انسانیت ان مظالم کی وجہ سے اُجاگر ہو رہا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ کشمیریوں پر ہونے والے ظلم پر دل دکھی اور آنکھیں خوں ریز ہیں۔ علاوہ ازیں آئے دن وطن عزیز کی مشرقی و مغربی سرحدوں اور کنٹرول لائن سے شہدائے وطن کی داستان ایک تسلسل سے رقم کی جا رہی ہے۔ یہ غم، آہ و گریہ میں نہیں بلکہ طاقت میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔

افواج پاکستان وطنِ عزیز کی سرحدوں پر ہمہ وقت چوکس ہیں۔ لیکن اُن کی اصل طاقت سامانِ حرب، جدید اسلحے میں نہیں عوامی تائید و حمایت اور جذبۂ قربانی میں پنہاں ہے۔ کیونکہ ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ۔ جب تک قوم کا ہر بچہ، بڑا بوڑھا، عورت، مرد جذبۂ ایثار و قربانی سے اپنا کردار ادا نہیں کرینگے۔ اس وقت تک فتحِ مُبین ان کا مقدر نہیں بنے گی۔ اس کے لیے حکومتی سطح پر ہی نہیں۔ نجی، ذاتی اور انفرادی محاذ پر ہر پاکستانی کو اس وقت اپنے آپ کو حالتِ جنگ میں سمجھ کر اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ اس کے لیے معاشرے کے

یاد کیجیے جب انیس سو اکہتر میں پاکستان دولخت ہوا تو اہل پاکستان کے دل تار تار تھے۔ قوم کو پتا چل گیا بلکہ یقین آ گیا تھا کہ جہاں میں ہمارا کوئی محرم نہیں۔ چنانچہ قوم نے لاشعوری طور پر اس شکست کو شکستگی کے بجائے طاقت بنایا۔ ابتدائے کہوٹہ سے لے کر انتہائے چاغی، ۲۸۔ مئی ۱۹۹۸ء تک کتنی ہی حکومتیں بدلیں، نظام ہائے حکومت کے تجربے ہوئے لیکن قوم نے انھی تاروں سے ایٹم بم کا تانا بانا بن کر اپنا دفاعی حصار تعمیر کیا۔ بحمد اللہ آج پاکستان عالم اسلام

کی اولین و آخریں ایٹمی طاقت ہے۔ یہ حقیقت عالمی استعماری طاقتوں کو ہضم نہیں ہو رہی ہے۔ کیونکہ متزلزل اور شورش زدہ پاکستان ہی ان کے مفاد میں ہے۔ چنانچہ زندگی کے ہر محاذ پر، ہر شعبے میں، کہیں مذہب، کہیں جدید و قدیم کے مباحث، کہیں تاریخ کے مسخ آئینے میں مسلمانوں کو ان کا چہرہ دکھا کر اس

مقصد کو حاصل کرنے کی کوششوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، ایک جال ہے، ایک چال ہے۔ کیونکہ عسکری محاذ پر پاکستان کو شکست دینے کی راہ میں پاکستان کا ایٹمی قوت ہونا ہمالیہ جتنی بلند رکاوٹ ہے۔

آخری بات جو کہنا ہے وہ یہ ہے کہ ایٹم بم بنانے کے پیچھے اگر جذبہ دفاع وطن نہ ہوتا تو محض وسائل اور سائنسدانوں کی مہارت ایٹم بم نہیں بنا سکتی تھی۔

یہ جذبۂ دفاعِ وطن ہی تھا کہ پاکستان کو ایٹمی طاقت بننے کی راہ میں کوئی رکاوٹ آڑے نہ آسکی۔ جذبۂ تعمیر وطن نے آخرش وطن کو ایٹمی طاقت بنا دیا۔

چنانچہ آج بھی اگر ہے جذبۂ تعمیر زندہ، تو پھر کس چیز کی ہم میں کمی ہے۔ مگر اس کا ادراک ضروری ہے۔

ملکی سالمیت میں پاک افواج کا کردار

نزاہت خان

پاکستان دنیا کے دیگر ملکوں یا ریاستوں کی طرح ایک ملک نہیں بلکہ یہ ایک نظریاتی ریاست ہے جو دو قومی نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آئی لاکھوں افراد نے ہجرت کی اتنی ہی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تب سبز ہلالی پرچم فضاؤں میں لہرایا۔ پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کی طرح اس کی نظریاتی سرحدوں کا تحفظ بھی بہت ضروری ہے بحمد اللہ ہماری بہادر اور مستعد افواج یہ فریضہ بحسن وخوبی انجام دے رہی ہیں انہوں نے دو ہری ذمہ داری اٹھا رکھی ہے اور ہم آزاد ہیں کہ ۲۷ رمضان المبارک کی شب عطا کردہ مملکتِ خداداد پاکستان کا قیام معمول کی بات نہیں اللہ رب العزت کا انعام ہے یہی سبب ہے کہ محض جنگ نہیں حالتِ امن میں بھی وہ قوم و ملک کی خدمت کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی ہیں۔

اے وطن تو نے پکارا تو لہو کھول اُٹھا
تیرے بیٹے تیرے جانباز چلے آتے ہیں

''ملکی سالمیت میں فوج کا کردار'' اہم موضوع ہے ہم سیلاب، موسلا دھار بارشوں، زلزلہ، ناگہانی آفات، حادثات حتیٰ کہ قومی سلامتی کی خاطر سرکاری محکموں میں بے قاعدگیوں مثلاً واپڈا میں بجلی چوری اور آبپاشی کے محکمے میں غیر قانونی طریقے سے پانی کے حصول اور قومی انتخابات میں بدعنوانیوں کو روکنے نیز معاملات کو شفاف رکھنے کے لئے فوج کو تعینات کر کے شفاف نتائج کے حصول میں کامیاب رہے ہیں اور ہماری بہادر افواج نے بھی پیشہ وارانہ اُمور کے ساتھ ساتھ تفویض کردہ دیگر ذمہ داریوں کو بھی بحسن وخوبی انجام دیا ہے یہ اعزاز بھی پاکستان کی دلیر اور اعلیٰ صلاحیتوں کی حامل پاک فوج کو حاصل ہے کہ اس نے اقوام متحدہ کے امن مشنز میں جب بھی کارکردگی دکھانے کا موقع ملا تو اپنی تعیناتی کے ملک میں دیانت داری کے ساتھ فرائض کی انجام دہی کو مقدم جانا اور اس ادارے کی جانب سے ستائش سمیٹی یہی سبب ہے کہ اسے دنیا بھر میں کارکردگی اور پیشہ ورانہ مہارت کے اعتبار سے صفِ اوّل کی افواج میں گنا جاتا ہے۔

عالمی امن کے اعتبار سے پاکستان ایک ذمہ دارانہ مؤقف رکھتا ہے اور اسی مقصد کے لئے مسلح افواج مستعد رہتی ہیں ہماری ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ خطے یا دنیا میں ناخوش گوار صورت حال کو مذاکرات کے ذریعہ بہتر بنایا جائے یہی پالیسی مسلح افواج کی ہے بھارت سے ملحقہ سرحد ہو یا افغان بارڈر، ان ملکوں کی جانب سے بار ہا اُکسائے جانے کے باوجود پاکستان مسلح افواج نے عالمی قوانین کا احترام کیا ہے اور جارحیت سے گریز کی حکمت عملی اپنائی ہے لیکن پاکستان کی سرحدی حدود میں گھسنے کی حماقت کرنے والے ابھی نندن سمیت کتنے ہی بھارتیوں کو نہ صرف منہ کی کھانی پڑی ہے بلکہ کلبھوشن یادیو سمیت درجنوں کو گرفتار کر کے بتادیا گیا ہے کہ پاکستان اپنے دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے غافل نہیں وہ ہر لحظہ ہر لمحہ تیار، چوکنا اور متحد ہے اس لئے کہ جب پاکستانی قوم رات کو سکون کی نیند سو رہی ہوتی ہے تو ہمارے جانباز اپنے سرحدی مورچوں میں اور ہمارے ادارے اپنے اپنے مقام پر جاگ کر اس مملکت کی حفاظت کر

اس مملکت کی حفاظت کر رہے ہوتے ہیں۔

پاکستان کی حتیٰ المقدور کوشش ہے کہ عالمی امن اور خطے میں خوشگوار فضا کے قیام کے لئے اپنا کردار ادا کرے لیکن پڑوسی ملک بھارت کی حرکتیں مجبور کرتی ہیں کہ اس کی گوشمالی کی جائے یہی سبب ہے کہ پاکستان کی چار جنگیں بھارت کے ساتھ ہو چکی ہیں اور یہ سب اس کی مسلط کردہ تھیں اور پاک فوج نے مادرِ وطن کے تحفظ کے لئے قربانیاں دیکر دشمن کے دانت کھٹے کئے اور ملکِ عزیز کا دفاع کیا پاکستان کی ریاست ہو یا فوج کسی کی سوچ غائبانہ نہیں ہم نہ جارحیت مسلط کرتے ہیں نہ جنگ۔ پاکستان جغرافیائی اہمیت اور آبادی کے اعتبار سے دنیا میں توجہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ہم دنیا کے اُن چھ سے سات

یہی خواہش ملک کو اور اس کے دفاع کو مضبوط و مستحکم کرنے کی سمت لے جاتی ہے اور جب کراچی میں اسلحے کی عالمی نمائش ہوتی ہے تو اسے 'ہتھیار برائے امن' کا نام دیا جاتا ہے کہ دفاع جتنا مضبوط ہوگا امن کے امکانات اتنے ہی بڑھ جائیں گے ریاستیں ہوں یا معاشرے کمزور پڑ جائیں گے تو دشمن کو آگے بڑھنے اور سازشیں کرنے کا موقع ملتا ہے لیکن دفاعی ادارے جاگ رہے ہوں تو دشمنوں کو دندان شکن جواب ملتا ہے اور وہ جارحیت سے باز آجاتے ہیں ویسے بھی پاکستان بالادستی کا خواہاں نہیں ہماری پالیسی تو برادرانہ تعلقات کا فروغ ہے اور اسی اُصول پر مسلح افواج عمل کرتی ہیں۔

ملکوں میں آتے ہیں جہاں نوجوانوں کی کثرت ہے اس طرح پاکستان کی پیشہ ورانہ اہمیت کی حامل فوج دنیا کے پہلے دس ملکوں میں شمار ہوتی ہے پاکستان کی مسلح افواج کی جنگی مشقیں امریکہ، برطانیہ، سعودی عرب، روس، ایران، ترکی اور دیگر ممالک کے ساتھ ہوتی رہی ہیں اور سب نے ہماری بحریہ، فضائیہ اور برّی افواج کی صلاحیتوں کا لوہا مانا ہے قدرتی بات ہے کہ پاکستان کی خواہش ہے اس کے تعلقات اپنے تمام پڑوسی ملکوں سے بہتر ہوں اور جن ملکوں سے دوستی کا رشتہ ہے ان خطوں میں سرمایہ کاری اور تجارت کے لئے آمدورفت کو آسان بنایا جائے۔

پاکستان میں ہماری مسلح افواج اور دہشت گردی کی روک تھام کے ادارے تمام تر ذمہ داری کے ساتھ ملکی سالمیت کے تحفظ میں پیشہ ورانہ اُمور انجام دے رہے ہیں بلاشبہ دہشت گردی کے واقعات ہوتے ہیں، دشمن ملک کی سازشیں ہوتی ہیں لیکن ہماری فوج اور اسکے خفیہ ادارے درجنوں دہشت گردی کے منصوبوں کو ناکام بناتے ہیں وہ جو کسی نے کہا تھا کہ فٹ بال یا ہاکی کا میچ ہو تو میچ ختم ہونے پر کہا جاتا ہے ایک گول ہو گیا حالانکہ دس کوششوں میں سے ۹ کو کھلاڑیوں اور گول کیپر نے ناکام بنایا ہوتا ہے دوسرے الفاظ میں صرف ایک کوشش میں گول ہوا باقی میں ٹیم کی کارکردگی مثالی رہی اور مخالف ٹیم مُنہ کی کھاتی رہی۔

ہماری ایجنسیاں اور مسلح افواج مثالی کردار ادا کر رہی ہیں۔ ہمارے سلامتی کے اداروں کی کارکردگی قابلِ فخر ہے۔ ان کے مثالی اقدامات ہی کا نتیجہ ہے کہ کراچی جو ۲۰۱۳ء میں دنیا کے خطرناک شہروں میں چھٹے نمبر پر تھا آج سرمایہ کاری کے لئے پُرکشش شہر کا اعزاز حاصل کر چکا ہے یہاں غیر ملکی سرمایہ کاری بڑھی ہے کوئی بھی ملک یا ادارہ امن ہو تو پیسہ لگاتا اور صنعت قائم کرتا ہے ہماری پُرامن پالیسیاں اور رواداری پر مبنی اقدامات ہی ہیں جو عالمی سطح پر ہمیں اعزازات مل رہے ہیں گذشتہ دنوں اقوام متحدہ سے ان ملکوں کی ایک فہرست جاری کی گئی جن میں انسانی حقوق کے لئے کام کرنے والے اداروں اور کارکنوں کو مشکلات کا سامنا تھا تو اس فہرست میں شامل ملکوں میں بھارت اور اسرائیل شامل تھے اور اس لسٹ کو شرمناک ممالک کی فہرست بتایا گیا تھا پاکستانی ادارے بشمول فوج بین الاقوامی برادری اور اقوام متحدہ سمیت تمام اداروں کے ساتھ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں کُھل کر تعاون کر رہے ہیں ہم نہ صرف جنوبی ایشیا یا برصغیر بلکہ دنیا بھر میں امن چاہتے ہیں اور ایک پُرامن دنیا ہماری خواہش ہے جس میں سب بے خوف رہ سکیں لیکن اس خواب کے شرمندہ تعبیر ہونے میں وہ ملک اور ادارے رکاوٹ ہیں جو توسیع پسندانہ عزائم رکھتے ہیں اور سازشی ذہنیت کے حامل ہیں بالخصوص بھارت اور اسرائیل ان میں شامل ہیں۔

عالمی امن پاکستان کی خواہش ہے پاکستان کی مسلح افواج بھارت سمیت کسی ملک پر قبضے کی پالیسی کی حامل نہیں لیکن ہماری جانب سے بارہا یہ پیغام دیا گیا ہے کہ امن کی خواہش کو کمزوری سے تعبیر نہ کیا جائے یہی سبب ہے کہ جب بھارت نے جارحیت کی تو اُسے منہ توڑ جواب ملا امن کی خواہش ہماری خوداعتمادی کا اظہار ہے کہ ایٹمی قوت ہونے کے ناطے ہم مضبوط دفاع کے حامل ہیں پھر مؤثر میزائل ٹیکنالوجی نے بھی ہمارے دفاع کو ناقابلِ تسخیر بنا دیا ہے جس کا کریڈٹ ہماری مسلح افواج ہی کو جاتا ہے جن کے ہنرمند سائنس دانوں اور انجینئروں نے شب و روز محنت کر کے ناممکن کو ممکن بنایا اور آج ہم سُرخرو ہیں۔

جوانان وطن کے حوصلے تھے دید کے قابل
وہاں پر شکر کرتے تھے جہاں پر صبر مشکل تھا

زندہ قومیں تاریخ کے اوراق پر اپنے کارناموں اور کردار کے ایسے نقوش چھوڑتی ہیں جو انمٹ ہوتے ہیں اور آنے والی نسلیں ان پر چل کر منزل کا ہدف حاصل کر لیتی ہیں فطرت کا اُصول ہے کہ ہر تیرگی کے بعد روشنی اور مصائب کے بعد سُکھ مقدر بنتے ہیں یہی کچھ برصغیر میں ہوا جب ہندو ذہنیت نے مسلمانوں پر مشکلات مسلط کیں ترقی کی دوڑ میں پیچھے رکھا تو قائداعظم، علامہ اقبال اور دیگر اکابرین کی صورت میں صفِ اوّل کی قیادت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوئی اور پاکستانی مسلم قوم کا مقدر بنا پھر جب یہاں تک کہ ۱۴ اگست کو نو آزاد مسلم مملکت کے خلاف پڑوسی ملک بھارت نے سازشیں شروع کیں ۱۹۶۵ء میں ہم پر کُھلی جنگ مسلط کی تو ہماری بہادر افواج کو مالک حقیقی نے وہ عزم، حوصلہ اور جذبہ بخشا کہ وہ دشمن کے دانت کھٹے کر سکے یہ پاکستان کی مسلح افواج ہی ہیں جن کی اکلوتی آبدوز غازی نے بمبئی کی بندرگاہ کے مانیوں میں کارروائی کی تو ایسا خوف بھارتی فوج اور حکومت پر مسلط ہوا کہ وہ لرزیدہ رہی اسی طرح ایم ایم عالم نے مختصر لمحات میں بھارتی طیارے گرا کر عالمی ریکارڈ قائم کیا جبکہ پوری جنگ میں اکیلے انڈیا کے ۱۱ طیارے تباہ کیے اور برّی افواج کے جوانوں نے جسموں پر بم باندھ کر ٹینکوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور اپنی جان وطن پر وار دی یہ حوصلہ اور تقویت عطا کرنے میں پاکستانی عوام کا بھی کردار ہے جنہوں نے ہر مرحلے پر فوج کی مدد کی۔ کہتے ہیں لاہور کے جوان اور بوڑھے لاٹھیاں لے کر بھارت سے لڑنے نکل پڑے تھے یہ جذبے اور حوصلے کی بات ہے۔

اے راہِ حق کے شہیدو، وفا کی تصویروں
تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں

ملکی سالمیت کے تحفظ کا معاملہ اور پاکستانی فوج کا کردار زیرِ بحث آئے تو ہمیں غازی مقبول حسین یاد آتا ہے ۱۹۶۵ء کی جنگ کا ہیرو جو دھرتی کا قرض اُتار کر چل بسا اسے ۴۰ برس تک بھارت نے ۴ فٹ کی کوٹھری میں قید رکھا، دردناک عذاب دیئے لیکن اس نے شکست تسلیم نہیں کی پاؤں سے ناخن، مُنہ سے دانت اُکھاڑ دیئے گئے لیکن وہ پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتا رہا تشدد کا آخری حربہ یہ تھا کہ اس کی زبان کاٹ دی گئی جب وہ نعرے لگانے کے قابل نہ رہا تو کوٹھری کی دیوار پر پاکستان زندہ باد اور اپنا نمبر ۳۳۵۱۳۹ لکھتا رہا جو پاک فوج نے اسے بطور شناخت دیا تھا جس قوم کے جوان غازی

مقبول جیسے ہوں جس قوم میں میجر سرور شہید، میجر طفیل شہید، عزیز بھٹی شہید، راشد منہاس شہید، حوالدار لالک جان شہید اور سوار محمد حسین شہید جیسے بہادری کے نشان پیدا ہوئے ہوں اسے بزدل دشمن کبھی شکست نہیں دے سکتا آج بھی قربانیوں کی داستاں لکھی جائے تو کشمیر سے کیماڑی تک بہادروں، دلیروں کی ایک سنہری لڑی میں ہزاروں نہیں لاکھوں نام پروئے جائیں گے جنہوں نے قوم کے روشن مستقبل کے لئے اپنے حال کو قربان کیا ہمارا اسلام ہے ملکی سالمیت کے لئے قربانیاں دینے والے مسلح افواج کے اُن جوانوں، شہیدوں اور غازیوں کو جو ہمارا فخر ہیں اور یہ یقین ہے کہ جب بھی کڑا وقت آیا تو یہ بیرکوں سے نکلیں گے اور شجاعت اور بہادری کی عظیم داستانیں ایک بار پھر رقم کردینگے کہ وہ ہمارا فخر ہیں۔

جاؤ جدھر جدھر تم یہ ساتھ ساتھ جائیں
دیتے ہو ٹھنڈی چھاؤں سب کو اے سائبانو
اے فوج کے جوانو، ملت کے پاسبانو
دیکھے نہ آنکھ میلی کوئی میرے وطن کو
چھو پائیں نہ خزائیں اس دلنشیں چمن کو
کہہ دو اِدھر نہ آئیں رُک جاؤ اے طوفانو
اے فوج کے جوانو ملت کے پاسبانو

اے فوج کے جوانو، ملت کے پاسبانو
ہو آبروِ وطن کی سرحد کے نگہبانو
سینوں میں ہے تمہارے اِک جذبہِ شہادت
ایمان سرفروشی بے مثل ہے شجاعت
مولا علی کے شیرو، جرات کی داستانو
اے فوج کے جوانو، ملت کے پاسبانو
بہنوں کی سب وفائیں اور ماؤں کی دعائیں

ہنگامی صورتِ حال اور پاک فوج

مدحت فاطمہ

حالت جنگ ہو یا زمانہ امن، صورتِ حال ہنگامی ہو تو پاک فوج کو خصوصی ذمہ داریاں تفویض کی جاتی ہیں جن سے وہ ہمیشہ عہدہ برآ ہوئی ہے۔ ستمبر ۲۰۱۹ء کے اواخر میں آنے والے زلزلہ کو ہی لے لیں جس کی شدت اللہ کریم کے فضل و کرم سے بہت معمولی تھی لیکن اس کے باوجود تین درجن سے زائد اموات اور پانچ سو کے لگ بھگ زخمیوں کے ساتھ ساتھ خاصا مالی نقصان بھی ہوا۔ تباہ شدہ انفراسٹرکچر کی بحالی اور متاثرہ افراد کی اعانت کیلئے مسلح افواج کے جوان سپہ سالار جنرل قمر جاوید باجوہ کے حکم پر بروقت پہنچ گئے اور سول انتظامیہ کی معاونت کی۔ سیلابوں، موسلا دھار بارشوں، ۲۰۰۵ء کے تباہ کن زلزلے، عام انتخابات اور بدامنی و دہشگردی کی روک تھام میں ہماری افواج کا کردار ہمیشہ مثالی رہا ہے اور پاکستان کی قومی و ملی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا جب مادرِ وطن کے بیٹے اس کی حُرمت پر قربان ہو گئے حالیہ زلزلہ کے بعد نیشنل ڈزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی کے چیئرمین لیفٹیننٹ جنرل محمد افضل نے بھی پاک فوج کی امدادی سرگرمیوں کو سراہا اور کہا کہ حالات کنٹرول میں ہیں رضا کاروں کی ضرورت نہیں۔ اقوام متحدہ کے تحت بھی امداد باہمی، رضا کاری، عطیہِ خون سمیت متعدد عالمی ایّام منائے جاتے ہیں جن میں عوامی شعور کو بیدار کیا جاتا ہے کہ ان جذبوں کو بڑھاوا مل سکے۔ ایک نظریاتی مملکت ہونے کے ناطے پاکستان میں فیاضی، سخاوت، دوسروں کی مدد اور ہنگامی صورتِ حال میں بلاخوف و خطر انسانیت کی خدمت کا حوصلہ دوسری اقوام کے مقابلے میں کہیں زیادہ موجود ہے اس کے ساتھ ساتھ ہماری مسلح افواج کے جوان بھی دفاعِ وطن کے ساتھ ساتھ ہنگامی صورتِ حال میں ملک و ملت کے کام آنے کے جذبہ سے سرشار ہیں اس کی درجنوں سنہری مثالیں ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں۔ ہمارے مذہب اسلام نے بھی انسانیت کی خدمت کو بہترین عمل قرار دیا ہے اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ خود خالق کائنات اپنی مخلوق سے ۷۰ ماؤں جتنی محبت کرتا ہے اور اس محبت کا ایک حصّہ اُس نے انسانوں کو بھی ودیعت کیا ہے پاکستان کی مسلح افواج نے آفاتِ سماوی اور حادثاتِ ارضی ہر دو صورتوں میں اپنی احسن کارکردگی کا لوہا منوایا ہے اور انہیں جنگی تربیت کے ساتھ ساتھ روڈ حادثات کے زخمیوں کو بچانے، ابتدائی طبی امداد دینے، آتشزدگی پر قابو پانے، منہدم عمارتوں یا زلزلہ کے باعث عمارتوں میں پھنسے مکینوں کی جان بچانے، کیمیائی مواد کے اخراج نیز دھماکوں اور سیلاب و برسات کے باعث محصُور لوگوں کو محفوظ مقامات تک پہنچانے کی تربیت بھی دی جاتی ہے جدید خطوط پر دی گئی یہ تربیت انہیں اقوام متحدہ کے ان مشنز میں بھی دیگر ممالک کے فوجیوں سے منفرد، ممتاز اور ممیز کرتی ہے جہاں انہیں یہ عالمی ادارہ تعینات کرتا ہے یاد آ رہا ہے کہ غالباً سربیا میں تعینات فوجیوں کی واپسی ہوئی تو مقامی لوگوں نے پاکستانی دستے کو پھولوں میں لاد دیا تھا کہ وہ نہ صرف قیامِ امن میں کامیاب رہے تھے بلکہ مقامی لوگوں کے دل موہ لئے تھے یہ وصف ہی انہیں دیگر فوجی مشنز کے مقابلے میں زیادہ پذیرائی دیتا ہے خود پاکستان میں بجلی چوری سے نمٹنے کے انتظامات ہوں یا نہری پانی سے غیر قانونی طور پر اراضی سیراب کرنے والے بااثر افراد کے خلاف کوئی آپریشن، ہمیشہ فوج کی تعیناتی کا مطالبہ ہوتا ہے کہ اس کی کارکردگی پر سب کو اعتماد ہے سب اسے فرض شناس جانتے ہیں اسی طرح عام انتخابات ہوں یا بلدیاتی الیکشن جہاں بھی بے قاعدگیوں کا خدشہ ہو، وہاں کے امیدوار، رائے دہندگان اور سیاسی جماعتیں مطالبہ کرتے ہیں کہ فوج تعینات کی جائے تاکہ صاف، شفاف اور منصفانہ پولنگ ہو سکے اور درست نتائج مل سکیں اور بلاشبہ ہماری مسلح افواج اس عوامی اعتماد پر بحمد اللہ پوری بھی اتری ہیں۔

قدرتی آفات یا ناگہانی حادثات انسانی زندگی کا حصّہ ہیں ان سے بچاؤ کیلئے بہتر انتظامات اور پیشگی کارروائیاں ضروری ہیں شمالی علاقہ جات میں پہاڑی تودے

گرنے سے شاہراہ ریشم کی ٹوٹ پھوٹ اور عطا آباد اور راولاکوٹ میں مصنوعی جھلیں بن جانے سے نواحی دیہات کو تباہی سے بچانے اور حالیہ ایّام میں خنجراب تک سی پیک روڈ کی تعمیر میں پاک افواج کے جوانوں کی کوششیں و قربانیاں کسی سے ڈھکی چُھپی نہیں بہتر پیشہ ورانہ تربیت کے باعث ہمارے فوجی جوان نہ صرف ایسی صورتِ حال سے ہنگامی طور پر بخوبی نمٹتے ہیں بلکہ اپنی اچھی کارکردگی کے خوبصورت نقوش چھوڑ جاتے ہیں فرض شناسی کی ایسی انمٹ مثالیں دیگر ممالک میں شاذ شاذ ہی ملتی ہیں کیونکہ ہمارے جوان صرف ڈیوٹی نہیں دیتے وہ جذبۂ خدمت سے بھی سرشار ہیں اور اپنی قوم سے محبت ان کے خون میں رچی بسی ہے۔

پاکستان کا وجود اغیار کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے ان کی شاطرانہ کوشش اور سازش ہے کہ پاکستان کے قومی اداروں کو متنازعہ بنایا جائے انہوں نے ہماری صفوں میں ایجنٹ گھسانے کی بھی کوشش کی ہے اور اپنے گماشتے

بھی کلبھوشن یادیو کی صورت میں یہاں بھیجے تھے لیکن بحمداللہ اُنہیں شکست ہوئی یہ قوم سیسہ پلائی دیوار ہے جو اپنے محافظوں سے حد درجہ محبت کرتی ہے جنہوں نے ہر مشکل مرحلے پر ملک کی حفاظت اور قوم کا تحفظ کیا ہے دشمن ہماری کمزوریاں تلاش کرتا ہے ہمیں مسالک، فرقوں، مذاہب، لسانیت اور رنگ و نسل کی بنیاد پر تقسیم کرنے کی ریشہ دوانیاں کرتا ہے لیکن اسے ناکامی ہوئی ہے اور انشاءاللہ آئندہ بھی اُس کی سبکی ہوگی کہ نبی پاک کے غلام کلمہ طیّبہ کی لڑی میں پروئے ہوئے دانوں کی طرح ہیں جنہیں اسلام کی نسبت نے باہم جوڑ رکھا ہے ہمارے یہاں آباد اقلیتوں کو بھی اپنے رسوم و رواج ادا کرنے اور زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کے مساوی مواقع میسّر ہیں اسی لئے سبز ہلالی پرچم آب و تاب کے ساتھ فضاؤں میں لہرا رہا ہے۔

حالتِ جنگ ہو یا عرصۂ امن، پاکستان کی مسلّح افواج اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہیں قوموں کی تاریخ میں ایسا وقت آتا ہے جب اجتماعی معاملات پر انفرادی منفعتوں کو قربان کرنا پڑتا ہے اور گوشہ نشینی ترک کر کے میدان عمل میں اُتر کر قربانیاں دینی پڑتی ہیں آج کا عہد بھی ہم سے مِن حیث اُلقوم قربانیوں کا تقاضا کر رہا ہے آج کے بیانیہ کا مضبوط پہلو یہ ہے کہ ریاست، عوام اور مسلح افواج ایک صفحے پر ہیں اور ہم اپنے ازلی و ابدی دشمن سے آگاہ ہیں تاریخ کا سبق بھی یہی ہے کہ پیش آمدہ حالات و واقعات کے مقابلے کیلئے ماضی سے سبق سیکھا جائے ہمیں ۶۵ء، ۷۱ء کی جنگوں اور بے شمار جھڑپوں نے یہ درس دیا ہے کہ دشمن سے غافل نہ رہیں اب لڑائی جغرافیائی سرحدوں پر ہی نہیں اندرونِ ملک اور نظریاتی سطح تک پھیل چکی ہے دہشت گرد اور ملک دشمن مختلف سمتوں سے ہم پر وار کر رہے ہیں اس کثیر الجہت معرکہ آرائی میں ہمیں اپنے وطن کا تحفظ کرنا ہے، اپنی مسلح افواج کو تقویت پہنچانی ہے اور دشمن کی سازشوں کو ناکام بنانے کیلئے ہر محاذ پر سینہ سپر رہنا ہے ایک اجتماعی پیغام اپنے دشمن کو بھی دینا ہے کہ ۲۰۱۹ء کا پاکستان ماضی کے پاکستان سے یکسر مختلف ہے ہم ایٹمی قوت ہیں، میزائل ٹیکنالوجی سے آراستہ ہیں اور سی پیک کی بدولت ہم نے معاشی استحکام کا راستہ ڈھونڈ لیا ہے اور ہر پاکستانی کو فخر ہے کہ اس کی سرحدوں کی محافظ مسلح افواج پیشہ ورانہ طور پر دنیا کی بڑی

افواج میں شامل ہیں نیز یہ جذبہ خدمت سے بھی سرشار ہیں اور عرصہ امن میں بھی اپنے عوام کی توقعات پر پورا اُترتی ہیں اور ہنگامی صورتِ حال میں کارکردگی کی لاتعداد روشن مثالیں ہیں جو ہر موقع پر پیش کی گئی ہیں یہ کارہائے نمایاں ہمارا اثاثہ ہیں فوج نے بحثیت ادارہ اس سے وابستہ توقعات اور تفویض کردہ ذمہ داریوں دونوں ہی کو بحسن وخوبی ادا کیا ہے جس پر پاکستانی عوام کو فخر ہے۔

زلزلہ اور آفات سماوی میں امدادی کاموں کے حوالے سے ستمبر ۲۰۱۹ء میں بھی مسلح افواج کی کارکردگی کو میڈیا سمیت معاشرے کے تمام طبقات نے خراجِ تحسین پیش کیا اور ہر بار کی طرح اس مرتبہ بھی ہنگامی صورتحال میں فوج تیزی کے ساتھ حرکت میں آئی اور متاثرین کے انخلاء وامداد کی فراہمی میں اپنا موثر کردار بھر پور طریقے سے ادا کیا۔ ۲۰۰۵ء کے زلزلے کے بعد نیشنل ڈزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی تشکیل دی گئی تھی جس کے موجودہ سربراہ لیفٹیننٹ جنرل محمد افضل ہیں قوم اور ملک کو جب بھی کوئی چیلنج درپیش ہوا ہماری مسلح افواج نے نہ صرف لبیک کہا کہ یہ اس کی پیشہ ورانہ ذمہ داری بھی ہے بلکہ توقعات سے بڑھ کر ذمہ داری کو پورا کیا سویلین اداروں کو بھی ہنگامی حالات کے حوالے سے جامع حکمتِ عملی اپنانی چاہیے محض عارضی اقدامات یا ایڈ ہاک پالیسیاں مناسب نہیں مستقل بنیادوں پر ایسی منصوبہ بندی کی جائے کہ قدرتی آفت نازل ہو تو جانی ومالی نقصان کم سے کم ہو بالخصوص ایسی سریع الحرکت فورس جو ہیلی کاپٹر بھی رکھتی ہو قائم کرنی چاہیے کہ سیلاب اور زلزلے سے زمینی انفراسٹرکچر متاثر ہوتا ہے تو آمدورفت مشکل ہو جاتی ہے خاص طور پر پلوں اور سڑکوں کے ٹوٹ جانے سے ایسی صورتحال سے نمٹنے کیلئے صرف فضائی راستے ہی بچتے ہیں جن سے امداد کی ترسیل ممکن ہوتی ہے مسلح افواج کی معاونت سے بنایا گیا کوئی ادارہ مطلوبہ اہداف حاصل کرسکتا ہے۔

ہنگامی صورتحال میں پاک فوج جو سرگرمیاں انجام دیتی ہے وہ خدمتِ خلق کے زمرے میں آتی ہیں جنہیں ہمارے مذہب نے اولیت دی ہے اور اللہ رب العزت کو بھی یہ عمل بہت پسند ہے ویسے بھی اللہ کریم کی خوشنودی کا حصول مخلوق کے حقوق کی ادائیگی سے مشروط ہے حدیث نبوی کا مفہوم ہے کہ جو کسی مسلمان کے رنج اور غم کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبت میں مدد کرے گا عمومی طور پر خدمت خلق کے عمل میں ایک رکاوٹ پیش آتی ہے کہ کار خیر نہ کرنے والے ان لوگوں کے روّیے کو مثال بناتے ہیں جو خدمت نہیں کرتے کہ جب سب ایسا نہیں کرتے تو ہم کیوں کریں لیکن ہمیں پاک فوج کی روشن مثالی کی پیروی اور تقلید کرنی چاہیے کہ ہر آڑے وقت میں وہ سینہ سپر نظر آتی ہے ۔صلے اور ستائش سے بے پروا ہمارے جوان خلوص کے ساتھ ہنگامی صورتحال میں ذمہ داریاں خدمتِ خلق کے جذبہ کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

پاک افغان سرحد پر ضلع مہمند میں باڑھ لگانے کے عمل کے دوران بارودی سرنگ پھٹنے سے شہید میجر عدیل اور سپاہی فراز حسین فرض شناسی کی روشن مثال ہیں ۔دیر میں ایسا ہی سانحہ پاک فوج کے تین جوانوں کو رتبہ شہادت پر فائز کر گیا تھا پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کو دہشت گردوں تخریب کاروں سے محفوظ رکھنے کیلئے حفاظتی باڑھ لگائی جارہی ہے تاکہ غیر قانونی آمدورفت کو

کو روکا جاسکے ہنگامی صورتحال میں پاک فوج کا کرداراور ذمہ داریاں تقاضا کرتی ہیں کہ اس منصوبے کو مکمل کیا جائے تا کہ دفاعی طور پر پاکستان کو مضبوط اور مستحکم کیا جاسکے ویسے بھی اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ افغانستان میں بھارتی دلچسپی کے باعث پاک سرحد سے ملحقہ افغان علاقے دہشت گردوں کا گڑھ بن چکے ہیں اُن کی سرکوبی اور بیخ کنی وقت کا تقاضا ہے۔

پاکستان کی مسلح افواج نے ثابت کیا ہے کہ وہ بے مثال حربی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ ہنگامی صورتحال میں بھی موثر کردار بطریقِ احسن ادا کرتی ہیں اور حالت امن میں بھی اُنہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی ادا کیا ہے جو ملک وقوم کی جانب سے اُنہیں سونپی جاتی رہی ہیں۔ اللہ کریم کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ ہماری ریاست کو دشمنوں کی نظرِ بد سے محفوظ رکھے اور ہماری مسلح افواج کے جذبہِ حُبِ وطن اور حوصلوں کو بڑھاوا دے کہ وہ دشمن کو دندان شکن جواب دے سکیں (آمین بجاہ سیدالمرسلین)۔

نیشنل ایکشن پلان کی کامیابی میں حکومت اور افواجِ پاکستان کا کردار

خالد منصور

نیشنل ایکشن پلان یعنی قومی لائحہ عمل کے نفاذ اور اس پر عمل درآمد سے کیا فوائد حاصل ہوئے اور اس سے کس طرح حالات میں بہتری آنا شروع ہوئی؟ قومی اداروں، افواجِ پاکستان اور حکومتی مشینری نے اس پروگرام کی فعالی میں کیا کردار ادا کیا ہے۔ اس پر بات کرنے سے قبل ان معروضی حالات وواقعات کا جائزہ لینا از حد ضروری ہے کہ نیشنل ایکشن پلان کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

رواں صدی کے اوائل میں ملک عزیز اور دیگر ممالک میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات اور حالات میں جو تغیّر وتبدّل رونما ہو رہے تھے، گذشتہ صدی کی آٹھویں دہائی سے جاری افغانستان کی جنگ جس نے سویت روس کی پسپائی کے بعد ہمارے پڑوس میں خانہ جنگی کی صورت حال پیدا کر دی تھی، جس کے نتیجے میں بہت سے دہشت گرد گروہ طاقت پکڑ چکے تھے اور ان کی دہشت گردانہ وشر پسندانہ کاروائیاں پاکستان کے سرحدی علاقوں سے آگے بڑھ کر ہمارے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں تک پھیل چکی تھیں۔ ملک کے طول وعرض سے تخریب کاری، بم دھماکوں، خودکش حملوں اور دہشت گردی کی کارروائیوں کی خبریں معمول بن چکی تھیں۔ ان کارروائیوں میں معصوم انسانی جانوں کے ضیاع کے ساتھ ساتھ انفرا اسٹرکچر کی تباہی اور بربادی نے ملک بھر میں خوف و ہراس کی فضاء پیدا کر دی تھی۔ اس بگڑتی ہوئی صورت حال میں پاک فوج کے جوانوں، پولیس فورس اور دیگر سکیورٹی اداروں نے جواں مردی سے ان حالات کا مقابلہ کیا اور اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرتے ہوئے مادرِ وطن کی حفاظت کے لئے قربانی دینے کی ناقابلِ فراموش داستانیں رقم کیں۔

دہشت گردی کی اس جنگ میں پاک فوج، پولیس فورس، قانون نافذ کرنے والے دیگر اداروں اور عام شہریوں سمیت کم وبیش ۸۰ ہزار افراد شہید ہوئے اور اربوں روپے کا مالی نقصان قوم کو برداشت کرنا پڑا، اسی جنگ کے دوران ۱۶ دسمبر ۲۰۱۴ء کو آرمی پبلک سکول پشاور کا المناک سانحہ رونما ہوا جس میں سفاک دشمنوں نے درندگی کی انتہا کر دی اور سکول کے ۱۴۹ معصوم طالب علموں اور اساتذہ کو شہید کر دیا۔ اس اندوہناک سانحے نے پوری قوم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ سانحہ آرمی پبلک سکول کے بعد قومی قیادت نے دہشت گردی کے اس عفریت کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کا پختہ عزم کیا اور حکومت، عسکری قیادت اور سیاسی قوتوں نے مل کر نیشنل ایکشن پلان مرتب کیا، جس کے نفاذ کے لیے جنوری ۲۰۱۵ء میں ۲۱ ویں آئینی ترمیم منظور کی گئی۔

قومی اتفاقِ رائے سے طے کئے گئے اس قومی لائحہ عمل کے تحت دہشت گردی میں ملوث عدالتوں سے سزا یافتہ مجرموں کی پھانسیوں پر عمل درآمد کا آغاز کیا گیا کیونکہ ماضی میں کمزور قوانین کے باعث مجرمان سزاؤں سے بچتے رہے تھے لہٰذا فوجی افسران کی سربراہی میں اسپیشل ٹرائل کورٹ یعنی فوجی عدالتیں قائم کی گئی اور ملکِ عزیز میں ہونے والے دہشت گردی کے بڑے بڑے مقدمات نیشنل ایکشن پلان کے تحت قائم کی گئی انہیں فوجی عدالتوں میں بھیجے گئے۔ ان سپیشل ٹرائل کورٹس نے دہشت گردی کے مقدمات

غیر ریاستی عسکری تنظیموں اور مسلح جتھوں پر سخت پابندی عائد کر دی گئی اور ان شر پسند گروپوں کی نقل و حرکت مکمل طور پر روکنے کے لئے مستقل نوعیت کے اقدامات کیئے گئے۔ انسداد دہشت گردی کے ادارے نیشنل کاؤنٹر ٹررازم اتھارٹی (نیکٹا) کو مضبوط اور فعال بنایا گیا اور دہشت گردی کے خلاف اسپیشل فورس قائم کی گئی۔ دہشت گردوں اور دہشت گرد تنظیموں کی ہر قسم کی مالی امداد کے راستے بند کرنے کے لئے عملی اقدامات اٹھائے گئے ملکی اور غیر ملکی مالیاتی اداروں کو ان اقدامات کا پابند بنانے کے لئے قانون سازی کی گئی۔ پاکستان

کی تیز تر سماعت کو یقینی بناتے ہوئے قوم کے مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے عمل کو مزید مؤثر بنایا اور مختصر عرصے میں معصوم انسانی جانوں کے ضیاع کے ذمہ دار مجرموں کی بڑی تعداد کو نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں شر پسندوں میں خوف کی لہر دوڑ گئی اور ان کی دہشت گرد کاروائیوں میں بتدریج کمی آنا شروع ہو گئی۔

نیشنل ایکشن پلان کو مزید تقویت دیتے ہوئے ملک بھر میں ہر قسم کی

بھر میں بے شمار کھاتوں کو بند کیا گیا جن کے ذریعے اربوں روپے دہشت گردوں اور ان کی تنظیموں تک پہنچائے جا رہے تھے اور دہشت گردوں کی مالی طور پر پشت پناہی کرنے والوں کے خلاف کریک ڈاؤن کا آغاز کیا گیا جس کے مثبت نتائج حاصل ہوئے اور ملک دشمنوں کے لئے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا دشوار ہونے لگے۔

عوام الناس میں منفی پراپیگنڈہ پھیلانے والوں کے خلاف عملی

اقدامات کرتے ہوئے نیشنل ایکشن پلان کے تحت نفرت انگیز تقاریر، دہشت گردی اور فرقہ واریت کو فروغ دینے والے اخبارات، میگزین اور تنظیمی مواد پر پابندی عائد کرتے ہوئے اس طرح کے معاملات میں ملوث افراد اور اداروں کے خلاف سخت سے سخت کارروائیاں شروع کی گئیں۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر دہشت گردوں کے نظریات کے نشر کرنے پر مکمل پابندی کے ساتھ ساتھ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پر دہشت پسندی کے فروغ کی روک تھام کے لیے ہر ممکن اقدامات کو یقینی بنانے کے لئے کام تیز کیا گیا۔ مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ ورانہ جذبات کو ہوا دینے والے عناصر، تنظیموں اور اداروں پر پابندیاں لگانے کے لئے فیصلہ کُن کارروائیاں شروع کی گئی اور اقلیتو ں کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے خصوصی طور پر پاکستان میں بسنے والی اقلیتی برادریوں کے نمائندوں کی مشاورت سے اقدامات کا تعیّن کیا گیا اور ان اقدامات کو عملی شکل دی گئی۔ دینی مدارس کی رجسٹریشن کا اہتمام کیا گیا، ان مدارس کے لئے ضابطہ اخلاق مرتب کیا گیا اور ان کی حدود و قیود کا تعیّن کر کے اس پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لئے عملی کوششوں کو تیز کیا گیا۔ اس امر پر خاص طور پر توجہ دی گئی کہ کوئی بھی ایسا گروہ یا تنظیم جسے پابند کیا گیا ہو وہ دوبارہ کسی نئے نام یا حیثیت میں اپنی سرگرمیاں جاری نہ رکھ سکے۔ قومی لائحہ عمل کے تحت اس بات کو یقینی بنانے پر خصوصی توجہ دی گئی دہشت گردوں کے خلاف کارروائیوں کا سلسلہ ایک ساتھ پورے ملک میں پھیلایا جائے، حکومتی اور عسکری ادارے اپنی بھرپور قوت اور صلاحیتوں کو بروئے کار لائے اور وسیع تر سیاسی مفاہمت کے لئے تمام اسٹیک ہولڈرز کی طرف سے حکومت بلوچستان کو دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے مکمل اختیارات دیے گئے۔ پنجاب، خیبر پختونخواہ اور قبائلی علاقوں (فاٹا) سمیت ملک بھر میں دہشت گردی کے خلاف جنگ سے متاثرہ خاندانوں اور افراد کی بحالی کے لئے خصوصی اقدامات کئے گئے۔ افغان جنگ کے نتیجے میں گذشتہ دہائیوں سے پاکستان میں موجود لاکھوں افغان پناہ گزینوں کی رجسٹریشن کرنے کے لئے خصوصی پالیسی تشکیل دینے کے ساتھ ساتھ افغان بھائیوں کی افغانستان میں محفوظ واپسی کے لئے خصوصی انتظامات کئے گئے اور اس عمل کے دوران نیشنل ایکشن پلان کے پہلے ہی برس میں ہزاروں افغان خاندانوں کو افغانستان بھجوایا گیا۔ نیشنل ایکشن پلان میں کی گئی منصوبہ بندی کے ذریعے دہشت گردوں کے مواصلاتی نیٹ ورک کے مکمل خاتمہ کے لئے ملک بھر میں پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی نے لاکھوں موبائل سموں کی بائیومیٹرک تصدیق کی اور جن سموں کی تصدیق نہ ہوسکی انہیں پابند کر دیا گیا۔

نیشنل ایکشن پلان کے نفاذ کے بعد جس طرح افواج پاکستان نے اپنی تمام تر پیشہ وارانہ صلاحیتوں اور قومی جذبے کے ساتھ شبانہ روز محنت سے دہشت گردی کی جنگ جواں مردی سے لڑی اسی ملّی جذبے اور احساس ذمہ داری کے ساتھ حکومت اور سرکاری اداروں نے اپنا فرض نبھایا اور ہر وہ قدم اٹھایا کہ جو مادرِ وطن کو دہشت گردی کے شر سے محفوظ بنانے کے لئے ممد و معاون ہو، ریاستِ پاکستان کی زمینی اور نظریاتی سرحدوں کی سلامتی اور حفاظت کی خاطر کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا گیا، قومی لائحہ عمل کے تحت لڑی گئی اسی جنگ کا نتیجہ ہے کہ آج ملکِ عزیز دہشت گردی کی جنگ کے شعلوں سے نکل کر امن و آشتی اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ تاہم اب بھی ہمیں عیار اور سفاک دشمنوں سے ہوشیار اور چوکنا رہتے ہوئے نیشنل ایکشن پلان کے ان حصوں پر بھی عمل درآمد کرنے کی ضرورت ہے جو اب تک تشنہ تکمیل ہیں اس ضمن میں ایک اہم کام اپنے سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور مدرسوں سمیت دیگر تعلیمی اداروں میں پڑھائے جانے والے نصاب کا بغور جائزہ لے کر اس میں ایسی ضروری تبدیلیاں کرنی چاہئیں کہ ہماری آنے والی نسلیں بھی دہشت پسندوں کے باطل نظریات سے متاثر نہ ہونے پائیں۔ دہشت پسندوں کے باطل نظریات سے متاثر نہ ہونے پائیں۔

پنجاب حکومت کا ایک سال اور سردار عثمان بزدار

ظہیر احمد سمرا

تختِ لاہور پر گزشتہ چالیس سال میں حکمرانی کا سب سے زیادہ موقع جاتی امرا کے ان نام نہاد شریفوں کے حصے میں آیا جنہوں نے پانچ دریاؤں کی دھرتی کو پیرس اور خوشحال بنانے کے دلفریب نعرے ضرور لگائے لیکن عملی طور پر کچھ بھی نہ کیا اور تمام تر سرکاری وسائل اپنی خودنمائی، داد و تحسین کے ڈونگرے برسانے پر ہی صرف کئے۔صوبائی اسمبلی کی نشست پی پی ۲۸۶ ڈیرہ غازی خان سے پاکستان تحریکِ انصاف کے ٹکٹ پر حصہ لینے اور کامیاب ہو کر پہلی مرتبہ پنجاب اسمبلی پہنچنے والے سردار عثمان بزدار نے ۲۰ اگست ۲۰۱۸ء کو جب وزیراعلیٰ پنجاب کا حلف اٹھایا اور ایک ہفتے بعد ان کی کابینہ کی تشکیل ہوئی تو ان کے سامنے بڑے چیلنجز درپیش تھے، یہ وہی پنجاب تھا جس کا ۸-۲۰۰۷ء میں سرپلس بجٹ تھا لیکن ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۸ء کے ۱۰ برسوں میں مسلم لیگ ن کی مسلسل ۱۰ سالہ حکومت اسے نہ صرف دیوالیہ کر گئی بلکہ اس پر ۵۶ خودساختہ کمپنیوں اور متعدد ایسے میگا منصوبوں کا بوجھ لادا گیا جسے اٹھانے کی کوئی بھی حکومت متحمل نہیں ہو سکتی تھی، بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ عملی طور پر پنجاب کے ہر محکمے کے ساتھ اضافی طور پر ایک ایسا ادارہ تشکیل دے دیا گیا تھا جو نہ صرف صوبائی خزانے پر بوجھ تھا بلکہ اُس کے ذریعے کرپشن کرنے اور فرنٹ مینوں کو نوازنے کا چور دروازہ بھی نکل آیا، اس تمام تر صورتحال میں وزیراعلیٰ پنجاب اور اُن کی ٹیم کیلئے دو راستے تھے ایک یہ کہ وہ سابق حکومت سے بھی زیادہ پبلسٹی، شور شرابے اور دکھاوے کی حکمت عملی اختیار کرتے، اپنی واہ واہ کرنے کیلئے بڑی سے بڑی ٹیم تشکیل دیتے اور تمام تر سرکاری وسائل خودنمائی اور اپنی حکومت پر داد و تحسین کے ڈونگرے برسانے پر صرف کر دیتے اور دوسرا یہ کہ عوام کو درپیش مسائل کا ٹھنڈے دل سے ادراک کیا جاتا اور ان کے حل کیلئے وسائل کے مطابق رفتار اختیار کرتے ہوئے آگے بڑھا جاتا۔سردار عثمان بزدار نے حقائق اور وسائل کے مطابق صوبے کے مسائل حل کرنے کو ترجیح دی اور پنجاب کے تمام محکموں کی تنظیم نو کرتے ہوئے ایسے پراجیکٹ تشکیل دینے کا آغاز کیا گیا جن کیلئے نہ تو وفاقی حکومت کو درخواست کرنی پڑتی اور نہ ہی عوام پر اُس کا بوجھ ڈالا جاتا۔ان حالات میں کیا یہ لائقِ تحسین امر نہیں ہے کہ پہلے ایک سال میں ہی پنجاب میں ۱۱۵ ارب روپے کی لاگت سے کھیتوں سے منڈیوں تک ۱۲ سو کلومیٹر لمبی سڑکوں کی تعمیر اس انداز میں عمل میں لائی جا رہی ہے جن کیلئے شفافیت کو یقینی بناتے ہوئے ای ٹینڈرنگ کا جو سب سے بڑا اقدام اٹھا وہ قانون کی عملداری یعنی گورنمنٹ کی رٹ ہے، لاہور جیسے بڑے شہر سے لے کر دُور دراز کے قصبوں تک قبضہ مافیا سے ۱۸۰،۰۰۰ ملین

روپے لاگت کی ۹ لاکھ ۱۰ ہزار کنال زمین واگزار کرانا کیا معمولی قدم ہے یقیناً حکومت نے ایسا کرتے ہوئے سیاسی لحاظ سے نقصان اٹھایا ہوگا لیکن اس کی پرواہ کیے بغیر وزیراعلیٰ پنجاب کی ہدایت پر صوبائی حکومت رکی نہیں اور یہ سلسلہ تا دمِ تحریر جاری ہے، اسی طرح صوبے بھر میں وسیع پیمانے پر شجر کاری کیلئے ایک کروڑ ۳۰ لاکھ پودے نہ صرف پنجاب کے ماحول کو بہتر بنانے میں مدد دیں گے بلکہ لکڑی اور دیگر ضروریات پوری کرنے کے بھی کام آئیں گے۔ ملک کے سب سے بڑے صوبے میں پہلے ایک سال میں جس منصوبے کو ملکی سطح پر سراہا گیا وہ وزیراعظم عمران خان کی ہدایت پر لاہور میں ۵ جگہوں پر شیلٹر ہومز کا قیام تھا یہ

اقدام بھی عام آدمی کو حکومت کے وجود کا عملی طور پر احساس دلانے کیلئے تھا کہ ایسا شخص جسے رات گزارنے کی فکر ہو اُسے حکومت نہ صرف سونے کے لئے چھت مہیا کرے بلکہ اُس کیلئے کھانے اور ناشتے کا بندوبست بھی کیا جائے، تعلیم کے شعبے میں پنجاب حکومت سبقت لے گئی اور چکوال، میانوالی، مری، بھکر، ننکانہ صاحب اور راولپنڈی کے اضلاع میں ۶ نئی یونیورسٹیوں کے فوری قیام کے علاوہ ہر ضلع میں ایک یونیورسٹی کے قیام کا اعلان وہ تاریخی اقدام ہے جس کی سیاسی مخالفین بھی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے، اسی طرح صحت کے میدان میں

بھی ہیلتھ کارڈ کا دائرہ کار صوبے کے ۲۰ اضلاع تک پھیلانے کے علاوہ بہاولپور، سرگودھا، ڈی جی آ خان اور دیگر شہروں کے سرکاری ہسپتالوں کی اپ گریڈیشن جیسے اقدامات قابل ذکر ہیں، زراعت کا مرکز ہونے کے ناطے سے پنجاب میں زرعی شعبے کو بھی اوّلین ترجیح دی گئی اور پانی کے تالابوں کی تعمیر، تیل کے بیج اور گندم، چاول اور گنے کی پیداوار بڑھانے کیلئے ۱۸ ارب روپے کی لاگت سے نئے پروگراموں کا اجرا کیا گیا۔ تحریکِ انصاف کے انتخابی نعرے کے علاوہ وزیراعلیٰ پنجاب سردار عثمان بزدار کا اپنا تعلق جنوبی پنجاب سے ہے اور پنجاب حکومت نے اپنے پہلے ایک سال میں ایسے ٹھوس اقدامات کیے ہیں جن

سے جنوبی پنجاب کی محرومیوں کے خاتمے کی راہ نکلتی دکھائی دے رہی ہے، ایک تو کسی وزیر یا افسر سے یہ اختیار واپس لے لیا گیا ہے کہ وہ بجٹ میں جنوبی پنجاب کیلئے مختص رقوم کو کسی اور منصوبے پر خرچ کر سکے یعنی بجٹ میں اعلان کردہ ایک ایک پائی جنوبی پنجاب کے عوام کی فلاح و بہبُود پر بھی خرچ ہوگی، اسی طرح ۱۶۰ ملین روپے کی لاگت سے ڈی جی خان اور تونسہ شریف میں پرانے پارکس کی بحالی اور نئے تفریحی پارکس کی تعمیر کا آغاز، کوہ سلیمان ڈویلپمنٹ اتھارٹی اور اُس کے دائرہ کار کو وسعت دینے جیسے منصوبے بھی جنوبی پنجاب کے عوام

کیلئے تحفہ ثابت ہوں گے۔

دیگر شعبوں میں دیکھا جائے تو پہلی مرتبہ پنجاب میں سیاحتی پالیسی کا نفاذ ،سکول ایجوکیشن پالیسی ۲۰۱۹ء کی تشکیل،پنجاب لوکل گورنمنٹ ایکٹ ۲۰۱۹ء کا نفاذ ،شہروں کی اقتصادی نمو کیلئے ویژن ۲۰۲۵ء اوراربن ریفارم روڈ میپ ،اساتذہ کی تقرری وتبادلے کیلئے آن لائن ای ٹرانسفر نظام اور دیگر کئی ایک ایسی کامیابیاں ہیں جنہیں وزیراعلیٰ سردار عثمان بُزدار کی قیادت میں پنجاب اسمبلی میں گزشتہ ایک سال کی ریکارڈ آئین

والوں کا خیال تھا کہ یہ چند ماہ بھی نہیں نکال سکیں گے لیکن آہستہ آہستہ مگر مستقل مزاجی کے ساتھ منزل کی طرف رواں دواں سردار عثمان بزدار اپنے ویژن اور طرز حکومت کو نمایاں کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔ وہ میڈیا کو ساتھ لے کے کسی اچانک دورے پر کہیں نہیں گئے اور نہ ہی بڑی ٹوپی اور لانگ شوز پہن کے ٹی وی کیمروں کیساتھ کسی برساتی پانی میں چلنے کا مظاہرہ کرتے نظر آئے ہیں۔عثمان بزدار نے خاموشی اور تیزی سے عوام کے بنیادی حقوق پر کام شروع کیا کہ جس سے وہ گزشتہ ادوار کے تمام وزراء اعلیٰ پر سبقت لیتے جارہے ہیں۔انہوں نے

سازی قرار دیا جاسکتا ہے ،بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ بغور جائزہ لیا جائے تو پنجاب کا ہر شعبہ اپنی موزوں رفتار کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے ہاں دھوم دھڑ کا نظر نہیں آتا ،اخبارات کے فرنٹ اور بیک کے صفحات عمران خان اور سردار عثمان بزدار کی تصاویر سے اٹے ہوئے دکھائی نہیں دیتے اور نہ ہی الیکٹرانک میڈیا پر چیختے چنگاڑتے اشتہارات دیکھنے اور سننے کو ملتے ہیں۔یہ وہی وزیراعلیٰ پنجاب ہیں جن کی ٹیم کی تشکیل پر سیاسی لحاظ سے بہت تنقید کی گئی تھی اور دعویٰ کرنے

اپنے دورِاقتدار کے صرف دس ماہ میں قبضہ مافیا کو لگام ڈال دی ہے اور ان دس ماہ میں قبضہ مافیا کیخلاف ۱۴۰۶ مقدمات کا اندراج ہونا اور ۱۴۹۶ افراد کی گرفتاری اس بات کا ثبوت ہے کہ موجودہ قیادت عوام کیساتھ کس حد تک کھڑی ہے۔وزیراعلیٰ پنجاب سردار عثمان بزدار بالکل درست کہتے ہیں کہ اتنے زیادہ وسائل سے مالا مال صوبے پنجاب کے سابق حکمران اگر بنیادی مسائل پر ذرا بھی توجہ دے لیتے تو آج پنجاب کے عوام ان کیساتھ کھڑے ہوتے۔

موجودہ حکومت کی ٹیکس اصلاحات پالیسی

کنول افتخار

کسی بھی ملک میں نظامِ مملکت چلانے کے لیے ٹیکس کا اکٹھا ہونا بنیادی ضرورت ہے۔ گورنمنٹ کسی بھی ملک کی ہو، اس کو چلانے کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے، حکومتیں اس رقم کے حصول کے لیے مختلف ذرائع استعمال کرتی ہیں، لیکن زیادہ تر انحصار عوام سے ملنے والے ٹیکس پر ہوتا ہے۔ پاکستان میں بھی ٹیکس کا باقاعدہ ایک نظام ہے۔ جس سے حاصل ہونے والی آمدنی حکومت عوام کی سہولیات جیسے تعلیم، صحت، انفراسٹرکچر اور سبسڈیز مہیا کرنے پر صَرف کرتی ہے۔ ٹیکس کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک فیڈرل ٹیکس۔ یہ دو قسم کا ہوتا ہے: ڈائریکٹ اور ان ڈائریکٹ۔ ڈائریکٹ ٹیکس میں انکم ٹیکس آتا ہے۔ جو ملازم کی تنخواہ میں سے ہر مہینے کاٹ لیا جاتا ہے۔ اور یہ سب سے آسان کام ہے۔ جبکہ ان ڈائریکٹ ٹیکس میں سیلز ٹیکس، کسٹم ٹیکس اور فیڈرل ایکسائز ڈیوٹی آتے ہیں۔ دراصل مسئلہ ان ڈائریکٹ ٹیکس کا ہے۔ کیونکہ لوگ اس میں ہی ہیرا پھیری کرتے ہیں۔ ماضی میں لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ جو ہم ٹیکس دیتے ہیں وہ حکمرانوں کے اللّوں تللّوں پر خرچ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ ٹیکس کیوں دیں؟ بہت سے اُمرا ٹیکسوں کی رقم فلاحی و سماجی تنظیموں کو دینا پسند کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے، پاکستان میں کئی ممالک کے مقابلے میں لوگ زیادہ چندے دیتے ہیں۔ حکمرانوں کی کارکردگی دیکھی جائے، تو محبِّ وطن امیر پاکستانیوں کی شکایت بجا لگتی ہے۔ اس وقت پاکستان پر ۳۰ ہزار ارب روپے کا قرضہ چڑھ چکا ہے اور یہ بڑھتا جا رہا ہے کیونکہ حکومت ان قرضوں کا صرف سُود ادا کرنے کی خاطر عالمی و قومی مالیاتی اداروں سے مزید قرضے لے رہی ہے۔ ظاہر ہے، قرضوں کی یہ بدترین آفت ماضی کے نااہل اور کرپٹ حکمرانوں کے کرتُوتوں کی وجہ سے پاکستانی قوم پر ٹوٹی ہے۔ انھوں نے عالمی و قومی مالیاتی اداروں سے بطورِ قرض جو کھربوں روپے لیے، وہ غیر اہم ترقیاتی منصوبوں پر لگے یا حکمران طبقے کی کرپشن کی نذر ہو گئے۔ قرضوں کا یہ پھندا ملک و قوم کی بقا تک خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ لیکن موجودہ وزیراعظم عمران خان کی حکومت کی بھرپور کوشش ہے کہ وہ پاکستانی ٹیکس گزاروں کا حکومت پر اعتماد بحال کرے۔ حکومت انھیں یقین دلا رہی ہے کہ ان کے ادا کردہ ٹیکسوں کا پیسہ عوام دوست اور بامقصد و مفید ترقیاتی منصوبوں پر خرچ ہوگا۔ وہ حکمرانوں کی جیب میں نہیں جائے گا اور نہ ہی کرپشن کی نذر ہوگا۔ پاکستانیوں کو یہ یقین دلانا اشد ضروری ہے کہ ان کے ادا کردہ ٹیکسوں کی رقم ملک و قوم کی ترقی و بہتری پر خرچ ہوگی۔ یہ اعتماد و یقین بحال ہونے کے بعد ہی پاکستانی ایمان داری سے ٹیکس دینے پر آمادہ ہوں گے۔

بدقسمتی سے بائیس کروڑ پاکستانیوں میں سے صرف آٹھ تا تیرہ لاکھ پاکستانی انکم ٹیکس اور دوسرے ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ یہ انتہائی مایوس کن تعداد

ہے۔ یہ ہماری آبادی کا نصف فیصد حصہ بھی نہیں بنتی۔ اسکینڈے نیویا کی فلاحی مملکتوں میں ۴۰ تا ۵۰ فیصد آبادی ٹیکس دیتی ہے۔ پاکستان میں بیشتر لوگ ٹیکس نہیں دیتے اور ہیر پھیر سے رقم بچا لیتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ پاکستان میں کم از کم ایک کروڑ پاکستانی ٹیکس دے سکتے ہیں۔ اگر یہ پاکستانی اپنے حصے کے ٹیکس ادا کرنے لگیں، تو حکومتِ پاکستان کی آمدن میں خاطر خواہ اضافہ ہوجائے۔ ترقی یافتہ ممالک میں حکومتوں کی آمدن کا ایک بڑا ذریعہ انکم ٹیکس ہے۔ وہاں جو شہری جتنا زیادہ امیر ہو، وہ اتنا ہی زیادہ انکم ٹیکس اور دوسرے ٹیکس

حکمرانوں نے اسے تج کر عالمِ اسلام کو زوال کی دلدل میں دھکیل دیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ دس بارہ لاکھ ٹیکس گذار پاکستانیوں میں اکثریت نجی و سرکاری اداروں سے بطور تنخواہ دار ملازم منسلک ہے۔ ان کی آمدن سے مخصوص رقم بطور انکم ٹیکس کٹ جاتی ہے۔ ٹیکس دینے والے صنعت کاروں، کاروباریوں اور دیگر امرا کی تعداد پندرہ سولہ ہزار ہے۔ ممتاز ماہرین معاشیات کا کہنا ہے کہ پاکستان کے مروجہ ٹیکس نظام کی ایک بڑی خامی اس کا پیچیدہ ہونا ہے۔ اٹھارہویں ترمیم کے بعد صوبے بھی ٹیکس لینے کے حق دار پائے۔ حتیٰ کہ یونین کونسل کی سطح پر بھی نئے

بھی ادا کرتا ہے۔ اکثر اوقات اُمرا کی پچاس فیصد سے بھی زیادہ کمائی ٹیکسوں کے ذریعے سرکاری خزانے میں پہنچ جاتی ہے۔ یہ عدل و انصاف پہ مبنی ٹیکس نظام ہے۔ یعنی اُمرا سے رقم لے کر نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی فلاح و بہبُود پر خرچ کی جائے۔ یہ نظام معاشرے میں دولت کا ارتکاز کسی حد تک روک دیتا ہے اور معاشی مساوات پیدا کرتا ہے۔ نبی کریمؐ نے ریاست مدینہ منورہ میں درج بالا معاشی نظام ہی قائم فرمایا تھا۔ آپؐ اس ٹیکس نظام کے بانی ہیں جسے مغرب کی مملکتوں نے اپنا لیا۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ ایسا ٹیکس نظام پاکستان سمیت کئی اسلامی ملکوں میں عنقا نظر آتا ہے۔ گویا مغربی ملک تو مدینہ منورہ کی فلاحی مملکت کے ماڈل کی پیروی کر کے ترقی یافتہ اور خوشحال بن گئے مگر مسلم

ٹیکس لگا دیئے گئے۔ مگر وفاقی، صوبائی اور مقامی سطح پر ٹیکس لگنے سے پاکستانی ٹیکس نظام بہت پیچیدہ ہوگیا۔ اس میں پیچیدگیاں اتنی زیادہ ہیں کہ تعلیم یافتہ ٹیکس گزار بھی انہیں سمجھ نہیں پاتے، لیکن موجودہ حکومت نے ان پیچیدگیوں کو آسان بنانے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ جس کے بعد قوی امید ہے کہ ٹیکس کا نظام صاف شفاف بھی ہوگا اور بہت سارے لوگ اس نظام میں شامل ہو جائیں گے۔

حکمران جماعت، تحریک انصاف نے اپنے منشور میں دعویٰ کیا تھا کہ وہ برسرِ اقتدار آ کر پاکستانی قوم سے ۸ ہزار ارب کے ٹیکس وصول کرے گی۔ (فی الوقت ایف بی آر سالانہ ٹیکسوں سے پونے چار ہزار ارب روپے اکٹھے کرتا ہے)۔ لیکن اگر حکومت اسی انداز سے لگی رہی تو اگلے ایک سے دو سال میں یہ

خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے گا۔ یوں قومی ٹیکس نظام کی پیچیدگی کم ہوگی اور پاکستانی قوم میں ٹیکس دینے کے رجحان میں اضافہ ہوگا۔ ایک تجویز زیرِ غور ہے کہ نیشنل ٹیکس ایجنسی کا قیام صوبائی حکومتوں کے مشورے سے عمل میں لایا جائے تاکہ آمدن کی تقسیم کا میکنزم اتفاق رائے سے جنم لے سکے۔ ماہرین کی تجویز ہے کہ نیشنل ٹیکس ایجنسی کی افرادی قوت کے لیے ایک نئی سرکاری سروس، ''کل پاکستان ٹیکس سروس'' کی بنیاد رکھی جائے۔ اس سروس میں اکاؤنٹس، قانون، آئی ٹی اور انتظام (ایڈمنسٹریشن) میں طاق مرد و خواتین بھرتی کیے جائیں۔ انھیں پھر ٹیکس نظام کا ماہر بنایا جائے تاکہ وہ بخوبی ٹیکس افسر کی خدمات انجام دے

زیادہ ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔ بدقسمتی سے انہیں ٹھیک کرنے والے سیاستدان اس محکمے کے ساتھ مل کر ٹیکس چوری کرنے کے بڑے بڑے تجربے کرتے رہے۔ اور حالات یہاں تک جا پہنچے کہ منتھلی لینے والے ملازمین نے مختلف اداروں سے اپنا حصہ دوگنا کر دیا اور علی العلان یہ کہا جانے لگا کہ ''اوپر'' بھی حصہ پہنچانا ہے اس لیے رشوت کی رقم دوگنا کر دیں ورنہ آپ کے لیے حالات خراب تر ہو سکتے ہیں۔ ٹیکس کے لیے دو اصطلاحات 'ایکٹ' اور 'آرڈیننس' استعمال کی جاتی ہیں۔ 'ایکٹ' ایسا قانون ہے جو پارلیمنٹ پاس کرتی ہے یعنی ملک کا وزیراعظم پاس کرتا ہے اور ''آرڈیننس'' وہ قانون جسے صدر مملکت پاس کرتا ہے۔ اب اگر

سکیں۔ دنیا بھر کے ترقی یافتہ اور مہذب ممالک میں ٹیکس ایک قومی فریضہ سمجھ کر ادا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہوتے ہیں کہ وہ جتنا زیادہ ٹیکس ادا کریں گے، حکومت کی طرف سے انہیں اتنی ہی زیادہ سہولیات دی جائیں گی۔

تشویش ناک امر یہ ہے کہ ماضی میں ٹیکس اکٹھا کرنے والے ان اداروں کے ہوتے ہوئے ہر سال پاکستان میں ۵۰۰۰ ارب روپے بدعنوانی کی نذر ہوتے رہے ہیں۔ ٹیکس سے متعلقہ محکموں کے اہلکار شاہانہ طرزِ زندگی گزارتے ہیں۔ ان کی رہائش، گاڑیاں اور رہن سہن ان کی آمدن سے کئی گنا

ماضی کی بات کی جائے تو آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ٹیکس کے حوالے سے جتنے بھی قوانین پاس ہوئے ہیں وہ صدارتی نظام کے تحت ہوئے ہیں۔ جس سے بڑے ٹیکس چوروں کو فائدہ دیا جاتا رہا جبکہ عام آدمی پر زیادہ سے زیادہ بوجھ ڈال کر ریونیو حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی رہی۔ اور موجودہ حکومت کی ترامیم سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ موجودہ حکومت عام آدمی یعنی کم آمدنی والے افراد پر کم سے کم بوجھ ڈال رہی ہے اور زیادہ آمدنی والوں پر اُن کی استطاعت کے مطابق بوجھ ڈال رہی ہے۔

اسٹیٹ بنک کی ایک رپورٹ بتاتی ہے کہ پاکستان میں ۵ کروڑ

۵۷ لاکھ افراد ملازمت پیشہ ہیں۔ ان کی بڑی تعداد ٹیکس نیٹ سے باہر ہے۔ حال ہی میں ایک رپورٹ منظر عام پر آئی ہے کہ ملک میں ایسی ۵۴ ہزار کمپنیاں ہیں جو ٹیکس ادا نہیں کرتیں یا ٹیکس ریٹرن جمع نہیں کرا رہیں۔ موجودہ حکومت کا اصلاحاتی پروگرام عوام کا ٹیکس نظام پر اعتماد بحال کرنے کی کوشش دکھائی دیتی ہے۔ پاکستان میں سالانہ ۶۰۰ سے ۸۰۰ ارب روپیہ سمگلنگ کی وجہ سے ٹیکس کے نظام میں شامل نہیں ہو پاتا۔ لگ بھگ ۷۰۰ ارب روپیہ انڈر انوائسنگ کی وجہ سے سرکاری خزانے میں جمع نہیں ہو رہا۔ لیکن موجودہ حکومت نے ہونڈی، حوالہ سمیت دوسرے تمام ذرائع ختم کر دیئے ہیں، جس کے بعد اب ٹیکس چوری کرنا مشکل تر ہو گیا ہے۔

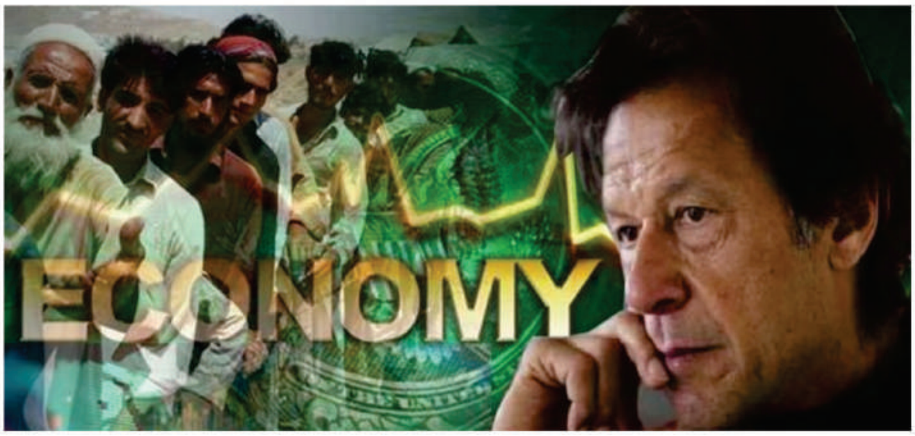

ہمیں غور کرنا چاہئے کہ ترقی یافتہ ممالک جن میں امریکہ سرفہرست ہے میں ٹیکسوں کی وصُولی کا راز کیا ہے؟ اس کا جواب ہے کہ وہاں لوگ دیانتداری سے اپنا انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ امریکہ میں انکم ٹیکس دہندگان کی تعداد ۱۰۰ فیصد ہے اور شرح ٹیکس دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔ چین اور یورپین ممالک میں بھی بچوں بوڑھوں کے علاوہ ہر فرد اور ادارہ انکم ٹیکس ادا کرتا ہے۔ بھارت ہم سے غریب اور کم وسائل کا ملک ہے جہاں ۴۰ فیصد عوام فٹ پاتھوں اور پارکوں میں رات بسر کرتے ہیں۔ وہاں انکم ٹیکس دہندگان کی تعداد ۲ کروڑ ہے جو انکم ٹیکس کا گوشوارہ داخل کرتے ہیں۔ گویا کل آبادی کا ۲ فیصد حصہ ٹیکس دہندہ ہیں۔ جبکہ پاکستان میں ۲۰۰۰ء میں انکم ٹیکس دہندگان کی تعداد ۳۳ لاکھ تھی جو ۲۰۱۸ء میں گھٹ کر ۲۰ لاکھ رہ گئی ہے جو کل آبادی کا صرف ایک فیصد بنتی ہے۔ لیکن موجودہ حکومت کے ٹیکس اصلاحات لانے کے بعد اب ایک بار پھر ٹیکس دہندہ گان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے، جو ۲۶ لاکھ تک پہنچ چکا ہے۔ یہ بھی تعداد تسلی بخش نہیں ہے، ہمیں کم از کم کل آبادی کے نصف حصے کو ٹیکس نیٹ میں لانا ہوگا۔ ٹیکس کا بنیادی اصول یہ ہونا چاہیے کہ امرا سے وصول کیا جائے اور غریبوں پر خرچ کیا جائے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو حکومت بھی نکتہ چینی سے بچی رہے گی اور مطلوبہ مقاصد بھی حاصل ہو جائیں گے۔

حالیہ چند مہینوں میں ایف بی آر نے ملک کے ۳۵۰ امیر ترین افراد کے خلاف کریک ڈاؤن کا آغاز کر رکھا ہے۔ اس مہم کے دوران ان لوگوں کو جوابدہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے، جو جاگیردار ہیں، قیمتی برانڈ کی کاروں کے مالک ہیں، بڑے کاروباری معاہدے کرتے ہیں، کروڑوں روپے کے سودے کرتے ہیں لیکن انکم ٹیکس گوشوارے جمع نہیں کرواتے۔ ٹیکس نادہندگان کے خلاف کارروائیاں تیز تر کر دی گئی ہیں اور ساتھ ہی 'سنگل ونڈو آپریشن' کے تحت ٹیکس ادائیگی کا عمل بھی آسان بنایا جا رہا ہے۔ اب ہر ایسے شخص کے حوالے سے معلومات ایک جگہ جمع کی جا رہی ہیں جو پُرتعیش زندگی گزارتا ہے۔ ٹیکس چوری کرنے والوں کی نشاندہی، کاروں کی خریداری، بینک کے ذریعے لین دین اور بیرون ملک سفر کی معلومات کی بنیاد پر کارروائیاں جاری ہیں۔ تاہم تمام ڈیٹا ایک جگہ لانے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔

سندھ بیراج، انڈس ڈیلٹا کی خوشحالی کا عظیم منصوبہ

الطاف احمد خان

دریائے سندھ کے آخری سرے پر آباد، ٹھٹھہ، بدین اور سجاول اضلاع میں پانی کی کمی گذشتہ کئی عشروں سے میڈیا کا موضوع ہے، مختلف نقطۂ ہائے نظر شدت کے ساتھ اس کا اظہار کرتے رہے ہیں ویسے تو پاکستان سمیت پوری دنیا کی ۲۵ فیصد آبادی کو قلتِ آب کا سامنا ہے اور دستیاب پانی کا ۸۰ فیصد حصّہ زراعت، صنعت اور انسانی آبادی کے استعمال میں آتا ہے پاکستان میں دریائے سندھ کے ڈیلٹا پر وفاقی حکومت نے سندھ بیراج کی تعمیر کا اعلان کیا ہے یہ منصوبہ ٹھیک اسی وقت منظور کیا گیا ہے جب یہ خبریں پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا پر آ رہی تھیں کہ سمندر نے صرف ضلع ٹھٹھہ کی ساڑھے سات سو کلومیٹر اراضی کو ہتھیا لیا ہے جس میں قابل کاشت زرعی رقبہ اور درجنوں دیہات شامل ہیں یہاں کی آبادی نقل مکانی پر مجبور ہے اور کاشت کاری پر دسترس رکھنے والے مجبوراً کراچی، حیدرآباد یا دیگر شہروں میں معمولی ملازمتوں سے گزارہ کر رہے ہیں حالانکہ ان میں سے متعدد چھوٹے زمیندار بھی تھے۔ اراضی سمندر بُرد ہونے سے مقامی سطح پر مسائل نے بھی جنم لیا جن میں نفسیاتی عوارض اور اسٹریٹ کرائمز شامل ہیں۔

وفاقی حکومت کا یہ فیصلہ مقامی سطح پر خوشحالی لانے کا ایک ایسا منصوبہ ہے جو لوگوں کی قسمت بدل دے گا۔ سیلاب کے ایاّم کو چھوڑ کر باقی پورے سال کوٹری بیراج مخرج پر پانی کا اخراج بند رہتا ہے جبکہ ٹھٹھہ، بدین، سجاول، ٹنڈو محمد خان اضلاع ڈیلٹا پر واقع ہیں جہاں نہروں کے ذریعے پینے اور کاشت کاری کیلئے پانی کی سپلائی ہوتی ہے سال گذشتہ ہی سینٹ میں وزارت آبی وسائل نے بتایا تھا کہ سالانہ ۲۹ ملین ایکڑ فٹ پانی سمندر میں ضائع ہو جاتا ہے پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں تحریری طور پر بیان کیا گیا کہ ۱۹۷۶ء سے ۲۰۱۷ء تک اوسطاً سالانہ ۲۹.۰۲ ملین ایکڑ فٹ پانی سمندر برد ہوا اسی طرح پاکستان سے متعلق رپورٹ میں اقوام متحدہ نے سالانہ ۹ لاکھ ۶۲ ہزار ملین گیلن استعمال شدہ پانی کے ضیاع کی نشاندہی کی گئی تھی کہ بھارت میں ۲۲ فیصد، میکسیکو میں ۵۴ فیصد اور چین میں ۷۱ فیصد استعمال شدہ پانی دوبارہ استعمال کے قابل بنایا جا رہا ہے جب کہ پاکستان میں یہ شرح محض ۱.۲ فیصد ہے یونائیٹڈ نیشنز ڈیولپمنٹ پروگرام (یواین ڈی پی) کے مطابق استعمال شدہ پانی ندی نالوں اور دیگر آبی گزرگاہوں میں پھینک کر ضائع کر دیا جاتا ہے حالانکہ پاکستان میں پانی کی کمی کے مسائل بڑھ رہے ہیں جس کا تدارک استعمال میں احتیاط، نئے آبی ذخائر کی تعمیر اور استعمال شدہ پانی سے دوبارہ استفادے کی صورت میں ممکن ہے اقوام متحدہ ہی کی ایک اور رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ پاکستان میں سمندر برد ہونے والے پانی کی مالیت سالانہ ۷۰ ارب ڈالر ہے رپورٹ میں بیان کیا گیا ہے کہ ۱۹۵۰ء میں پاکستان میں پانی کی فی کس دستیابی ۵ ہزار کیوبک میٹر تھی جو ۲۰۱۵ء میں کم ہو کر ایک ہزار کیوبک میٹر رہ گئی حالانکہ ۲۰۰۹ء میں بھی ہر باشندے کے لئے ۱۵ سو کیوبک میٹر پانی میسّر تھا اس وقت پاکستان میں کل دریائی پانی ۱۵۳ ملین ایکڑ فٹ ہے آبادی میں اضافے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر آبی ذخائر تعمیر نہ کئے گئے تو ۲۰۲۵ء تک پاکستان کو سالانہ ۳۳ ملین ایکڑ فٹ پانی کی قلت کا سامنا رہے گا مستقبل کی ضروریات کے پیش نظر جامع حکمت عملی اور موثر منصوبہ بندی کی ضرورت ہے جو مستقل بنیادوں پر ہو۔

سندھ بیراج کے منصوبے کا مقصد صوبے کے زیریں علاقوں بالخصوص ڈیلٹا کیلئے ایسی حکمت عملی اپنانا ہے جس سے اس علاقے میں خوشحالی آئے واپڈا کی

تجویز ہے کہ سمندر سے پہلے دریائے سندھ میں ایک بیراج تعمیر کیا جائے جو۴۶ کلومیٹر کے فاصلے پر ہو بالائی جانب تعمیر اس آبی منصوبے سے پانی اسٹور کر کے کوٹری بیراج کے زیریں علاقوں میں پانی کی کمی کے مسائل حل کرنے میں مدد ملے گی اور کراچی کو اضافی پانی بھی فراہم کیا جاسکے گا ساتھ ہی یہ بیراج سمندری پانی کی دریائی حدود میں داخلے کو روکنے، زرخیز زرعی رقبہ سمندر برد ہونے سے بچانے، ماحولیاتی اثرات پر قابو پانے مینگروز کے جنگلات میں اضافے اور آبی حیات کی افزائش میں بھی مددگار ثابت ہو سکے گا اور آبادی کے اس انخلا کو بھی روکا جا سکے گا جو بدترین حالات کے باعث تلاش روزگار کے لئے دیگر شہروں پر دباؤ ڈال رہا ہے بیراج کی تعمیر سے جو دسمبر۲۰۲۴ء تک مکمل ہوجائے گی اور اس پر اسی سال کے اواخر میں واپڈا حکام فزیبلٹی رپورٹ کی تیاری شروع کردیں گے۔

زرعی طبقہ اسے احسن اقدام سے تعبیر کرتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک کوٹری کے زیریں علاقوں میں پانی نہ پہنچنے کی وجہ سے سمندر تشویش ناک طور پر دریائی گزرگاہ میں آگے بڑھ رہا ہے اور لاکھوں ایکڑ زرعی رقبہ اور انسانی آبادیاں سمندر بُرد ہو رہی ہیں اس سلسلے میں فوری اقدامات کرنے کے مطالبات ہو رہے تھے حالیہ منصوبے یعنی سندھ بیراج کی تعمیر سے صورتِ حال میں بہتری آئے گی اس لئے کہ یہ بیراج سمندر سے ۴۵ کلومیٹر دُور اوپر کی سمت بنایا جارہا ہے وزیراعلیٰ سندھ سیّد مراد علی شاہ سے وفاقی وزیر بحری وسائل فیصل واڈا کی زیرِ قیادت وفد نے ملاقات کی تو اس گفتگو میں بھی سندھ بیراج کی تفصیلات پر تبادلہ خیال ہوا ملاقات میں سندھ کے وزیر آب پاشی سہیل انور سیال، صوبائی مشیر اطلاعات مرتضیٰ وہاب، اشفاق میمن، سینیٹر کریم خواجہ جبکہ وفاقی حکومت کے وفد میں واپڈا کے چیئرمین لیفٹیننٹ جنرل (ر) مزمّل حسین سمیت سینئر حکام موجود تھے ملاقات میں وزیراعلیٰ سندھ سیّد مراد علی شاہ نے بتایا کہ کوٹری سے نیچے کی

اس اسٹڈی رپورٹ کی تیاری کے ساتھ ہی بین الاقوامی ماہرین بھی فزیبلٹی کا جائزہ مکمل کرلیں گے اور اگلے برسوں میں منصوبے کا تفصیلی انجینئرنگ ڈیزائن تیار کرلیا جائے گا اور جنوری ۲۰۲۲ء میں سندھ بیراج پروجیکٹ پر تعمیراتی کام کا آغاز ہوجائے گا اور تکمیل انشاءاللہ دسمبر۲۰۲۴ء تک ممکن ہے۔ یہ بیراج ٹھٹھہ سے ۶۵ کلومیٹر جنوب اور کراچی سے ۱۳۰ کلومیٹر مشرق جبکہ انڈس ڈیلٹا سے ۴۵ کلومیٹر بالائی سمت تعمیر ہوگا واپڈا کے ترجمان نے اس پروجیکٹ کو آبی مسائل کے حل میں تاریخی اقدام قرار دیا ہے۔

سندھ کے مقامی باشندے بالخصوص ٹھٹھہ، بدین، سجاول اور ٹنڈو محمد خان کا

جانب دریائی پانی کے عدم اخراج سے سمندر کا پانی اوپر کی سمت مسلسل آگے بڑھ رہا ہے جس کی وجہ سے یومیہ درجنوں ایکڑ اراضی غیر آباد ہو رہی ہے اور ڈیلٹا پر موسمی تبدیلیوں کے گہرے اثرات بھی مرتب ہو رہے ہیں چیئرمین واپڈا نے سندھ بیراج کی افادیت بیان کی اور بتایا کہ بیراج کے دونوں اطراف ایک ایک نہر کی تعمیر سے ہمہ وقت لاکھوں ملین ایکڑ پانی نہ صرف اس علاقے میں موجود ہوگا بلکہ یہاں موجود پانی سے مقامی اراضی بھی سیراب ہوگی چیئرمین واپڈا نے بتایا کہ رائٹ بینک کینال سے گھوڑا باری اور گھارو تک کے رقبہ کو جبکہ لیفٹ بینک کینال سے سجاول سے گولارچی تک کے علاقے کو فاضل پانی میّسر آئے گا اور یہ پانی سیلاب کے ایاّم میں اسٹور کیا جا

سکے گا جس کی ایک اندازے کے مطابق استعداد ۱۶۰ اکلومیٹر فلڈ وائر ہو گی وزیراعلیٰ سندھ نے خدشہ ظاہر کیا کہ پانی کی ایک جھیل کی صورت موجودگی سے سیم وتھور کی صورتحال بھی درپیش ہوگی انہوں نے تجویز کیا کہ موجود پانی کو بہترین انجینئرنگ کے ذریعے زیرِ استعمال لانا چاہیۓ تاکہ زرعی زمین بچائی جاسکے نیز یہاں آباد چھوٹی چھوٹی بستیوں کے مستقبل کو بھی مدِ نظر رکھنا ہوگا جس پر فیصل واڈا نے کہا کہ وہ ہر کام میں سندھ حکومت کی آراء کو پیش نظر رکھیں گے کیونکہ یہ منصوبہ سندھ بالخصوص انڈس ڈیلٹا اور ملحقہ ٹھٹھہ، بدین، سجاول اور ٹنڈو محمد خان اضلاع کیلئے مفید ثابت ہوگا نیز خطے میں خوشحالی آئے گی سندھ کے سابق سیکرٹری آبپاشی نے اسی منصوبے کے حوالے سے کہا کہ صوبائی حکومت یہاں انڈس برانچ کی تعمیر کا ارادہ رکھتی تھی تاکہ سمندری پانی کو کنٹرول کیا جاسکے وزیراعلیٰ سندھ سیّد مراد علی شاہ نے بتایا کہ اس حوالے سے مقامی باشندوں کو اعتماد میں لیا جائے گا اور اگر رائیٹ بینک کینال جھنبھور تک بنائی جائے تو کراچی میں پانی کی قلت کا مسئلہ بھی حل کیا سکتا ہے نیز لیفٹ بینک کینال کو تھر تک لے جایا جائے تو قلتِ آب کے شکار اس صحرائی علاقے کو بھی فائدہ حاصل ہوگا کیونکہ سندھ کی حکومت اس منصوبے کی افادیت کو سمجھتی ہے۔

سندھ بیراج کی تعمیر علاقے کے لئے کس قدر مفید ثابت ہوگی اس پر ماحولیات کے ماہرین سے گفتگو کی جائے تو وہ اسے احسن قدم قرار دیتے ہیں۔ عالمی تنظیم ڈبلیوڈبلیوایف کے مطابق سمندر یومیہ ۱۸۰ ایکڑ زمین نگل رہا ہے اور یہ بھی کہ دریائے سندھ کے فطری بہاؤ میں تبدیلی سے انڈس ڈیلٹا کا وہ رقبہ جو ۱۸۳۳ء میں ۱۲ ہزار ۹۰۰ مربع کلومیٹر تھا اب صرف ایک ہزار مربع کلومیٹر بچا ہے۔ پاکستان فشرفوک فورم کے چیئرمین علی شاہ نے ٹھٹھہ پریس کلب میں ایک ملاقات کے دوران بتایا تھا کہ دریائی پانی کے سمندر میں عدم اخراج سے علاقے پر ماحولیاتی ہی نہیں دیگر منفی اثرات بھی مرتب ہوئے ہیں سنیٹر ڈاکٹر کریم خواجہ نے علاقے میں نفسیاتی عوارض بالخصوص خودکشی کے واقعات کی سمت توجہ دلائی مقامی باشندے کہتے ہیں کہ بیراج کی تعمیر اور نہروں کے بننے سے زراعت بہتر ہوگی۔

اہلِ چین کے عقیدے کے مطابق یہ شیر دریا جسے کشمیر اور پاکستان میں دریائے سندھ پکارا جاتا ہے کئی ہزار کلومیٹر کا سفر طے کر کے انڈس ڈیلٹا پر سمندر کا حصّہ بنتا تھا لیکن اب برسوں سے ایسا صرف سیلاب کے ایاّم میں ہوتا ہے عام دنوں میں کوٹری بیراج کے دھانے پر پانی خارج نہیں کیا جاتا نتیجتاً ڈیلٹا پر بنی ڈیڑھ درجن کے لگ بھگ کھاڑیاں جو دریائی پانی سمندر میں پھینکتی تھیں اب سمندری پانی سے بھری ہیں ڈیلٹا پر تمر کے جنگلات میں کمی آرہی ہے اور آبی حیات کی افزائش نہ ہونے کے برابر ہے ماہی گیر گزربسر مُشکل ہونے کے باعث نقلِ مکانی پر مجبور ہیں ایسے میں سندھ بیراج کی تعمیر علاقے میں خوشحالی کی سمت پہلا قدم ہوگا جو وفاقی حکومت نے اٹھایا ہے اور اسے اچھے دنوں کی امید بتایا جا رہا ہے گلوبل وارمنگ سے ڈیلٹا کا ماحولیاتی نظام (Eco System) بھی پہلے جیسا نہیں رہا مقامی باشندے طویل عرصے سے اس مسئلے کا حل نکالنے کیلئے مطالبات کر رہے تھے وہ خوش ہیں کہ ان کی سُنی گئی ہے اور مجوزہ سندھ بیراج پروجیکٹ انڈس ڈیلٹا، مقامی باشندوں اور علاقے کی زراعت کیلئے تعمیر کیا جا رہا ہے۔

بہت کم لوگ اس علاقے کی جغرافیائی ہیئت سے آگاہ ہیں انڈس ڈیلٹا کے نواح میں ۲۷ چھوٹے بڑے سمندری جزائر ہیں جہاں ڈھائی درجن سے لے کر ڈھائی تین سو تک گھروں یا جھونپڑیوں پر مشتمل بستیاں ہیں جن کے نام بھی بوڑھے مقامی باشندوں کے ناموں پر ہیں پانی نہ ہونے کی وجہ سے زراعت کا خاتمہ ہوا تو لوگوں نے جنگلات کی کٹائی شروع کی اور کوئلوں کے بھٹے بننا شروع ہوگئے اس دوران کچے کی اراضی پر بااثر افراد نے قبضے کر لئے ایک زمانے میں کچے کا یہ علاقہ ۶ لاکھ ۳۰ ہزار ایکڑ پر محیط تھا جس کے جنگلات شہد کے حصول کا بڑا ذریعہ تھے اور مویشی پروری کا کام دیتے تھے نیز قدرتی جھیلیں ختم ہونے سے روزگار کے ذرائع محدود ہوئے اور موسم سرما میں سرد علاقوں بالخصوص سربیا سے آنے والے پرندوں کی آمد میں بھی کمی آئی ہے نیز میٹھے پانی کی عدم دستیابی سے جھینگے اور مچھلی کی کئی نایاب اقسام بھی ختم ہوچکی ہیں اسی طرح بدین کی ساحلی پٹی پر واقع سندھ کے سابق حکمراں دودو سومرو شہید کی آخری آرام گاہ کو بھی سمندر سے خطرات لاحق ہیں تاریخی روپاماڑی ختم ہوچکی ہے اور خشکی کا بمشکل کچھ رقبہ بچا ہے جس پر دودو سومرو کا عرس یا میلہ منعقد ہوتا ہے اس تشویش ناک صورتحال میں سندھ بیراج پروجیکٹ اور دو نہروں کی تعمیر سے اہل علاقہ کو توقع ہے کہ عظمتِ رفتہ کی بحالی ممکن ہوسکے گی۔

سندھ میں اس وقت کشمور، سکھر اور کوٹری تین بیراج موجود ہیں سکھر بیراج قیامِ پاکستان سے قبل تعمیر ہوا تھا جبکہ باقی دونوں منصوبے آزادی کے بعد شروع اور مکمل ہوئے سندھ بیراج کی تعمیر سے کوٹری آوٹ لٹ پر ٹھٹھہ، سجاول، بدین اور ٹنڈو محمد خان اضلاع تک پانی کا اخراج دونوں اطراف میں زراعت اور انسانی آبادیوں کو فائدہ پہنچائے گا اور سمندر سے محض ۴۵ کلومیٹر دور تعمیر ہونے والا یہ بیراج

دائیں اور بائیں کناروں سے نکلنے والی دونوں نہروں کے ذریعے مزید خوشحالی کا سبب بنے گا کہ یہ کاشت کاری اور پینے کے پانی کی فراہمی میں آسانی لائیں گی۔

امید کی جانی چاہئے کہ اس منصوبے پر کام مقررہ وقت پر شروع ہو کر تخمینی لاگت اور مخصوص مدتِ تکمیل کا ہدف حاصل کر لے گا اور جنوری ۲۰۲۵ء سے ہم زیرین سندھ کے اس علاقے کو جسے مقامی باشندے ''لاڑ'' پکارتے ہیں سرسبز و شاداب دیکھیں گے۔ انشاءاللہ

پاک امریکہ دورے کے نتائج

منظور قادر

پاکستان اور امریکہ کے درمیان سرد مہری اور بے اعتمادی پر مبنی موجودہ تعلقات کے پس منظر میں اِمسال جولائی میں وزیر اعظم عمران خان اور امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے وائٹ ہاؤس میں فیصلہ کُن مذاکرات کے نتائج کے بارے میں فی الحال نیک توقعات کا اظہار ہی کیا جا سکتا ہے مگر تجزیہ نگار اس دورے کو کامیاب اور تاریخی قرار دے چکے ہیں۔ ایک طرف تو امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے پاکستان کو کشمیر پر ثالثی کی پیشکش کر دی تو دوسری طرف پاکستان نے افغانستان میں امن کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس کے علاوہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے پاکستان کے ساتھ تجارتی حجم کو بڑھانے کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔ میڈیا ذرائع کے مطابق وزیر اعظم کے دورے کے ثمرات بھی آنا شروع ہو گئے ہیں۔

پاکستانیوں کے لیے امریکہ نے منڈیاں کھول دیں، وزارت تجارت کے ذرائع کا کہنا ہے کہ پاک امریکہ تجارت کا حجم آٹھ ارب ڈالر تک پہنچنے کا امکان ہے، ذرائع کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس مالی سال میں تجارت ۱۳ ارب ڈالر تک بڑھنے کا بھی امکان ہے۔ اس کے علاوہ ذرائع کا کہنا ہے کہ سرجری آلات، ٹیکسٹائل، کھیلوں اور لیدر مصنوعات کے آرڈر ملنے کا بھی امکان ہے۔ ذرائع کا یہ بھی کہنا ہے کہ پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے کے لیے امریکی سرمایہ کاروں نے رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی وزیر اعظم عمران خان کی معاشی معاملات کی بہتری کے عزم کو ظاہر کرتی ہے کہ انہوں نے امریکہ کے سہ روزہ دورے کے پہلے روز واشنگٹن میں امریکی اور پاکستانی نژاد تاجروں کے وفود سے ملاقاتوں میں پاکستان کی معیشت اور اس کی بحالی کے لیے سرمایہ کاری کے حوالے سے اپنی حکومت کے پالیسی فریم ورک اور سازگار ماحول کو نہایت خوش اسلوبی سے اُجاگر کیا جسے وہاں کی بزنس کمیونٹی نے اطمینان بخش قرار دیتے ہوئے توانائی، سیاحت، تدریسی شعبے، انفارمیشن ٹیکنالوجی، مینوفیکچرنگ اور اسٹیل کی صنعت میں سرمایہ لگانے میں دلچسپی ظاہر کی۔ یہی وزیر اعظم کے دورے کا ایک بڑا مقصد بھی تھا جس میں انہیں کامیابی ملتی دکھائی دی ہے۔ وزیر اعظم سے ورلڈ بینک کے صدر اور آئی ایم ایف کے قائم مقام مینجنگ ڈائریکٹر نے بھی ملاقاتیں کیں اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کی جانب سے ۶ ارب ۲۰ کروڑ ڈالر کے مالیاتی پیکیج کے حوالے سے اقدامات پر تبادلہ خیال کیا اور اسی کامیاب حکمت عملی کی وجہ سے پاکستان کے لیے آئی ایم ایف کے مالیاتی پیکیج کا حصول ممکن ہو سکا۔

عمران خان نے واشنگٹن میں مقیم پاکستانی کمیونٹی کے ایک بڑے جلسہ سے بھی خطاب کیا۔ اسلام آباد میں وزارت خارجہ کے ترجمان نے وزیر اعظم کے دورے سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں بہتری کی توقع ظاہر کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ امریکی صدر سے باہمی تعلقات، سرمایہ کاری، فوجی تعاون، ایف اے ٹی ایف اور دیگر معاملات پر وزیر اعظم کی بات چیت کے بعد توقع ہے کہ معاملات مزید بہتری کی طرف بڑھیں گے۔ اگرچہ دونوں ملکوں کے تعلقات میں فاصلہ پیدا ہو گیا تھا لیکن یہ فاصلہ اب ختم ہو رہا ہے۔ وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی کا کہنا ہے کہ ہم کچھ لینے کے لئے امریکہ نہیں گئے تھے، ہمارا مقصد خطے میں امن وخوشحالی کے لئے امریکہ کی مدد کرنا ہے۔ مغربی تجزیہ کاروں نے بھی وزیر اعظم کے دورے کو بہت اہمیت کا حامل قرار دیا، ان کا کہنا ہے کہ امریکہ پاکستان سے تعلقات معمول پر لانے کے لئے اسے معاشی امداد بھی دے سکتا ہے۔

جو اس وقت پاکستان کی ضرورت بھی ہے۔ صدر ٹرمپ اور وزیر اعظم عمران خان کے مذاکرات میں جو معاملات زیرِ بحث آئے ان میں انسدادِ دہشت گردی،

دفاع، توانائی، افغان امن عمل اور دوطرفہ تجارت جیسے معاملات شامل ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ جہاں تک باہمی تعلقات کا تعلق ہے ان میں بہتری اسی وقت آسکتی ہے جب امریکہ ہمیں اپنی نظر سے دیکھے بھارت یا افغانستان کی نظر سے نہیں۔ گذشتہ سات دہائیوں سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں بہت اُتار چڑھاؤ آتے رہے۔ یہ امریکہ تھا جس نے جموں و کشمیر کے عوام کو حقِ خودارادیت دلانے کے لئے سلامتی کونسل سے قرار داد منظور کرائی اور یہ پاکستان تھا جس نے سرد جنگ کے عروج کے زمانے میں چین سے امریکہ کے تعلُقات اُستوار کرائے لیکن افغانستان میں روس کو شکست دینے کے بعد امریکہ نے پاکستان سے مُنہ موڑ لیا۔ آج وہ بھارت کے ساتھ کھڑا ہے اور یہ حقیقت تسلیم کرنے کے باوجود کہ پاکستان نے دہشت گردی کے خلاف بیش بہا قربانیاں دے

کر جنگ جیتی، امریکہ انسدادِ دہشت گردی میں نئی دہلی اور کابل کے ایما پر پاکستان کو تنقید کا ہدف بناتا رہتا ہے، اسے کشمیری عوام کو حقِ خودارادیت دلانے کے لئے اپنی قرارداد کا بھی پاس نہیں۔ یہ اس کی بھارت نوازی کا نتیجہ ہے کہ آج بھارتی وزیر دفاع بڑی ڈھٹائی سے للکارتا ہے کہ مودی سرکار کو مذاکرات کے بغیر بھی، یعنی ریاستی دہشت گردی کے ذریعے جسے وہ جاری رکھے ہوئے ہے، کشمیر کا مسئلہ حل کرنا آتا ہے۔ اس لئے کشمیریوں کو جب تک آزادی نہیں ملے گی، کشمیریوں کی حمایت پاکستان کی سیاسی اخلاقی اور سفارتی ذمہ داری ہے۔ امریکہ کو سلامتی کونسل کی قرارداد کا محرّک ہونے کے ناتے بھارت پر دباؤ ڈال کر اس قرارداد پر عمل درآمد کرانا چاہیے۔ ان کا کہنا تھا کہ توقع کے مطابق اور وزیراعظم عمران خان کی یکسوئی اور ایک نکاتی ایجنڈے کو منظور رکھنے کی وجہ سے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے وزیراعظم عمران خان کو کشمیر پر ثالثی کی پیشکش کی اُمید کی جاسکتی ہے کہ مستقبل میں یہ دورہ پاک امریکہ تعلقات بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوگا۔

دوسری طرف وزیراعظم عمران خان نے اپنے دورۂ امریکہ کے دوران واشنگٹن میں سربراہ ملاقات کے نتائج کا جائزہ لینے کے لئے اعلیٰ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان اور امریکہ کے درمیان مضبوط تعلقات سے خطے کے امن اور استحکام میں اضافہ ہوگا۔ انہوں نے اجلاس کے دوران اپنے کامیاب دورۂ امریکہ پر اطمینان کا اظہار کیا اور خطے میں امن اور پاکستان امریکہ دوطرفہ تعلقات کے حوالے سے صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے تصور کی تعریف کی۔ انہوں نے کہا کہ دونوں ملکوں کی قیادت مضبوط باہمی تعلقات چاہتی ہے۔ انہوں نے اجلاس میں امریکہ کے دورہ کے دوران ہونے والے فیصلوں پر عمل درآمد اور صدر ٹرمپ کے دورہ پاکستان سمیت مختلف معاملات پر امریکی حکام سے قریبی رابطے میں رہنے کے لیے اقدامات کا جائزہ لیا اور مستقبل کے لیے لائحہ عمل ترتیب دینے کی ہدایت کی۔ اس دورے کو پاکستانی میڈیا، دانشور اور تجزیہ نگار پہلے ہی کامیاب اور تاریخی قرار دے چکے ہیں اور اس پر تعریفی انداز میں اظہارِ خیال کرتے نظر آتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ وزیراعظم عمران خان کو صدر ٹرمپ کی طرف سے بہت پذیرائی ملی۔ جہاں تک میڈیا کی طرف سے کی جانے والی کوریج کا تعلق ہے تو پاکستانی نیوز چینلز کی کوریج کے اعتبار سے یہ واقعی تاریخی کامیاب دورہ تھا۔

معاملہ اصل میں یہ ہے کہ صدر ٹرمپ اور امریکہ کو ایک بار پھر افغانستان میں پاکستان کی مدد درکار ہے۔ امریکی صدر ٹرمپ کو اگلے سال نومبر میں ہونے والے صدارتی انتخابات میں اپنی بیرونِ ملک کامیابی کی ایک کہانی درکار ہے جسے وہ اپنی کامیابی کے طور پر عوام کے سامنے رکھ سکیں۔ انہیں افغانستان میں افغان طالبان کے

ساتھ امن معاہدے کی ضرورت ہے تا کہ وہ یہ اعلان کرسکیں کہ جو کام اوباما نہیں کر سکے وہ انہوں نے کر دِکھایا ہے۔ انہوں نے نہ صرف افغانستان میں امن قائم کر دیا ہے بلکہ وعدے کے مطابق امریکی فوج میں بہت حد تک کمی بھی کر دی ہے اور یوں اربوں ڈالر بچالیے ہیں جو امریکہ چاہتا ہے کہ افغان طالبان امریکہ کے ساتھ افغان امن کے سلسلے میں مثبت رویہ اختیار کریں۔

باوجود اس امر کے کہ امریکہ نے طالبان کے ساتھ امن مذاکرات کابل پر طالبان کے حملوں کے بعد سے معطل کر دیے ہیں۔ امریکہ اب بھی چاہ رہا ہے کہ پاکستان طالبان کو امریکی شرائط پر مذاکرات پر آمادہ کرے امریکہ طالبان کے ساتھ امن معاہدہ چاہ رہا ہے تا کہ صدر ٹرمپ اس ''تاریخی کارنامے'' کا کریڈٹ لے سکیں۔

دوسرا وہ چاہتے ہیں کہ افغانستان طالبان، افغان حکومت کے ساتھ بھی بات چیت کریں تا کہ سیاسی سمجھوتے کے ساتھ ساتھ مستقبل کے سیاسی اور انتظامی بندوبست پر بھی سمجھوتہ ہو سکے۔ اگر تو پاکستانی حکومت اور مقتدر قوتیں صدر ٹرمپ کے دونوں اہداف کے حصول میں توقعات کے مطابق مدد فراہم کرسکیں اور ان کی توقعات پر پورا اُتریں تو پھر پاکستان کی فوجی وغیر فوجی امداد بھی بحال ہو سکتی ہے اور آئی ایم ایف اور عالمی بینک سے نرم شرائط پر مزید قرضے بھی مل سکتے ہیں۔ جبکہ تجارت میں اضافہ بھی ممکن ہے۔ مزید مراعات کا حصول بھی ممکن ہو جائے گا۔ امریکہ اچھی طرح جانتا ہے کہ پاکستان کو مالی مدد کی اشد ضرورت ہے تا کہ معیشت کو دباؤ سے نکالا جا سکے۔

مگر یہ سب کچھ اُسی وقت ممکن ہو سکے گا جب امریکی انتظامیہ کی توقعات پوری ہوں اور پاکستان امریکی اہداف کے حصول میں پوری طرح ان کی مدد کرے۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ پاکستان کس حد تک، افغان طالبان پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ گذشتہ ۷۰ سالوں سے پاک امریکہ تعلقات سکیورٹی، فوجی امداد اور افغانستان کے گرد گھومتے رہے ہیں۔ دوسری طرف افغانستان کے حوالے سے پاکستان کے مفادات کے تحفظ کا معاملہ بھی ہے۔

کیا امریکہ افغانستان میں موجود بلوچ علیحدگی پسندوں اور کالعدم تحریکِ طالبان پاکستان کے جنگجوؤں کی موجودگی کے حوالے سے پاکستان کے تحفُظات دور کرے گا۔ پاکستان کو یقین ہے کہ بھارت افغانستان کے ذریعے بلوچ علیحدگی پسندوں کی مدد اور حمایت کر رہا ہے جبکہ اس حوالے سے امریکہ کا کردار بھی قابلِ ستائش نہیں ہے۔

ان حالات میں پاک امریکہ تعلقات میں گرم جوشی اور ماضی کے قریبی تعلقات کی بحالی کا دارومدار دونوں ملکوں کی توقعات اور اہداف کے حصول پر منحصر ہے۔ دونوں اطراف سے ایک دوسرے کو بتا دیا گیا ہوگا کہ اہداف اور توقعات کیا ہیں اور ان کو

پورا کرنے کی صورت میں کیا کچھ حاصل ہوسکتا ہے؟

پاک امریکہ تعلقات میں بہتری آنے کے امکانات اس وقت بڑھیں گے جب امریکہ پاکستان کو محض افغانستان، بھارت اور چین کے تناظر میں دیکھنے کی بجائے ایک ایسے ملک کے طور پر دیکھے گا جو اپنے تزویراتی مفادات کا تحفظ چاہتا ہے اور جو بھارتی بالادستی کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔

امریکہ کو اپنا رویہ اور پالیسی تبدیل کرنا ہوگی۔ پاکستان کے تحفظات اور مفادات کو سنجیدگی سے لینا ہوگا۔ اس طرح جہادی گروپوں کے حوالے سے پاکستان کو فیصلہ کُن اور ٹھوس اقدامات کرنا ہوں گے اور ان گروپوں کا مکمل خاتمہ کرنا ہوگا جن پر دہشت گردی اور بیرونی مداخلت کے الزامات ہیں۔ ایف اے ٹی ایف کے حوالے سے معاملات کو بھی سنجیدگی سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں دونوں اطراف سے ٹھوس اقدامات اٹھائے جانے کی ضرورت ہے۔

امریکا اور افغان طالبان کے مابین مذاکرات

رضوان عطا

رواں برس ستمبر کے اوائل میں یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ۱۸ برس کی موجودگی کے بعد امریکا کے افغانستان سے واپس جانے کا وقت قریب آ رہا ہے۔ امریکا اور افغان طالبان کے درمیان مذاکرت میں امریکا کے نمائندہ خصوصی زلمے خلیل زاد نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اصولاً معاہدہ ہو چکا، محض صدرِ امریکا کی توثیق باقی ہے۔ جولائی میں امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی جانب سے دی گئی دعوت پر جب وزیراعظم پاکستان عمران خان امریکا کے دورے پر گئے تو دونوں ممالک کے مابین تعلقات میں پائے جانے والے کھچاؤ کا تاثر زائل ہوا۔ دورے کا ایک سبب افغان طالبان اور امریکا کے درمیان مذاکرات میں پاکستان کا کردار تھا، اور اس کردار کی خواہش کا اظہار امریکا کی جانب سے ہوا تھا۔ پھر اچانک گزشتہ برس اکتوبر سے جاری مذاکرات، جن میں ایک ماہ سے خاصی گرم جوشی دکھائی دے رہی تھی، یکا یک منسوخ ہو گئے جس کا پیغام امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی جانب سے آیا۔ اس کی توقع نہیں کی جا رہی تھی۔ ڈونلڈ ٹرمپ کی جانب سے ان کی منسوخی پر طالبان نے بھی حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ مذاکرات کامیاب ہو چکے تھے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ اگر امریکی صدر اپنے الفاظ کا پاس نہیں کر سکتے اور وعدہ خلافی کرتے ہیں تو افغانستان میں خون خرابہ کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔ امریکی صدر نے طالبان کی طرف سے کیے گئے ایک حملے کو مذاکراتی عمل کے خاتمے کا سبب بتایا لیکن اسے تسلیم کم ہی لوگوں نے کیا۔ مذاکرات کے خاتمے میں امریکا کی اندرونی سیاست اور خیالات کے ٹکراؤ کا بھی خاصا عمل دخل ہے۔ کسی عندیے کے بغیر مذاکرات کی منسوخی امریکی تذبذب کو بھی ظاہر کرتی ہے۔

یقیناً ٹیکنالوجی، سرمایہ، افرادی قوت اور بین الاقوامی تعلقات جیسے اہم اور بظاہر کلیدی اُمور میں طالبان اور امریکا کا کوئی تقابل نہیں۔ امریکا ایک عالمی قوت ہے۔ البتہ تصویر کا ایک رخ اور بھی ہے۔ افغانستان کے ایک وسیع رقبے کا انتظام طالبان کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مذاکرات کی نوبت بھی شاید نہ آتی۔ نائن الیون کے بعد ہونے والی امریکی کارروائی میں سارا ملک طالبان کے زیرِ انتظام نہ رہا۔ امریکی آمد کے بعد دکھائی یہ دے رہا تھا کہ طالبان دور اختتام پذیر ہوا اور ملک میں سیاسی تشکیل کی کوئی نئی صورت سامنے آئے گی۔ البتہ جو سوچا نہیں گیا تھا، وہ ہو گیا۔ امریکی موجودگی کی مزاحمت کرنے والے مسلح گروہوں بالخصوص طالبان کی قوت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کی وجوہ کیا رہیں اور کیا امریکا اس قابل ہے کہ ان کا تدارک کر سکے؟ یہ تجزیہ کرنا اہم ہو گا۔

اگر امریکا اور اس کے حامیوں کی نظر سے دیکھا جائے تو افغانستان سے باہر محفوظ پناہ گاہوں پر سارا بار آ جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ پاکستان کی طرف سے کارروائی نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ افغان طالبان کی قوت بڑھی۔ تاہم ایسے الزامات سے اُن وسیع عوامل سے پردہ پوشی ممکن نہیں جو امریکی پالیسیوں کی ناکامی کا واضح اشارہ دیتے ہیں۔ اوّل، افغانستان سے طالبان حکومت کے اخراج میں اُن وارلارڈز یا جنگی سرداروں کی مدد لی گئی جن سے افغان عوام کو پہلے ہی گِلے تھے۔ دوئم، ملک میں بنیادی ضروریات سے منسلک شعبے، جیسا کہ صحت اور تعلیم، نظر انداز کئے گئے۔ سوئم، ملکی معیشت کم و بیش پرانی ڈگر پر چلتی رہی، صنعت کاری نہ ہو پائی اور انفراسٹرکچر کی تعمیر کو ملک بھر میں نہ پھیلایا جا سکا۔ چہارم، بدعنوانی، اقربا پروری اور قومیتی تضادات پر قابو نہ پایا گیا۔

کسی بھی نئے نظام کی حمایت میں مذکورہ بالا پہلو بہت اہم ہوتے ہیں۔ امریکی سرمایہ کاری کا عمومی رُخ کنٹرول برقرار رکھنے اور وفاداری حاصل کرنے کی حد تک رہا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد یورپ اور چند ایشیائی ممالک میں ہونے والی امریکی سرمایہ کاری، جس نے ان ممالک کی معاشی بحالی اور وہاں فلاحی ریاست کے قیام میں اہم کردار ادا کیا، افغانستان میں دور دور تک نظر نہ آئی۔ لہٰذا جو خلا پیدا ہوا اسے دوسری طاقت نے پُر کرنا تھا اور وہ اُسے پُر کرنے میں خاصی حد تک کامیاب ہوئی۔

سوویت یونین کے خاتمے کے بعد پوری دنیا بہت تیزی سے بدلی۔ نیو لبرل ازم رائج ہوا اور افغانستان کے بعد مشرقِ وسطیٰ میدانِ جنگ بنا۔ ساتھ ہی چین کی معاشی طاقت اس نہج پر پہنچ گئی جہاں امریکا اسے حریف کے طور پر دیکھنے لگا۔

افغانستان اور عراق میں عسکری کارروائیوں میں امریکی معیشت پر بہت بھاری اثرات مرتب ہوئے۔ معاشی میدان میں چین سے مسابقت بڑھی۔ نیو لبرل پالیسیوں، آزاد منڈی اور سرحدیں کھولنے سے سستی محنت تو میسر آئی لیکن امریکا کے اندر بے روزگاری بڑھنے لگی۔ امریکی معیشت کے روایتی شعبے انحطاط پذیر ہونے لگے اور اس کے خلاف رِدِعمل بڑھنے لگا۔ جہاں پہلے سرحدیں کھولنے اور منڈی کو آزاد کرنے کی باتیں ہوا کرتی تھیں وہاں سرحدوں پر دیواریں تعمیر کرنے کی وکالت ہونے لگی۔

ڈونلڈ ٹرمپ کی جانب سے انتخابی مہم کے دوران اور عہدۂ صدارت پر براجمان ہونے کے بعد ''غیر ملکیوں'' کے داخلے کو روکنے کے مختلف النوع اقدامات امریکی معاشی انحطاط کا ایک مخصوص رِدِعمل ہیں۔ ٹرمپ کو کامیابی اسی لیے ملی۔ وہ ملک کے اندر پائے جانے والے دائیں بازو کے وسیع تر جذبات کا رُخ اپنی جانب مبذول کرانے میں کامیاب ہوئے۔

بین الاقوامی امُور میں وہ چاہتے تھے کہ امریکا بیرونی امداد اور فوجی کارروائیوں کو کم کرے اور ایسی کارروائیوں میں اس کے اتحادی زیادہ حصہ ڈالیں۔ ڈونلڈ ٹرمپ شروع ہی سے افغانستان سے چھٹکارا پانے اور امریکی معیشت کی بحالی کی بات کرتے آئے ہیں لیکن تاحال وہ ایسا کر نہیں پائے۔

امریکا کے لیے افغانستان کی جنگ خاصی مہنگی رہی۔ افغان صدر اشرف غنی کہتے ہیں کہ اس جنگ پر ''ریاست ہائے متحدہ امریکا کی حکومت اور معاشرے کا خرچ ۵۰۰ ارب ڈالر رہے''۔ امریکی وزارت دفاع کے مطابق اکتوبر ۲۰۰۱ء سے مارچ ۲۰۱۹ء تک کل عسکری اخراجات ۷۶۰ ارب روپے ہوئے۔ خیال رہے کہ ان میں غیر عسکری اخراجات اور کنٹرول حاصل کرنے اور برقرار رکھنے کے لیے دوسرے ممالک کو دی جانے والی رقم شامل نہیں۔ ایک اندازے کے مطابق کل اخراجات دو ٹریلین ڈالر بنتے ہیں۔ چند برس قبل امریکا نے براہِ راست کارروائیوں میں شمولیت اختیار سے گریز کرنے اور مقامی افواج کو تربیت فراہم کرنے کی پالیسی اپنائی تاہم ان سے اخراجات میں کمی تو لائی گئی لیکن مجموعی طور پر یہ ایک مہنگا سودا ہی رہا۔ معاشی انحطاط کے اس دور میں مسلسل اخراجات امریکا کے لیے بوجھ ہیں۔ وہ یہ بوجھ اٹھا بھی لے لیکن تاحال طالبان کا اثر زائل ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔

۲۰۱۷ء میں امریکی جرنیلوں کے مشورے پر امریکی صدر نے بمشکل امریکی افواج کی تعداد بڑھائی تھی مگر یہ بھی کہا تھا کہ دراصل وہ افغانستان سے فوجی انخلا چاہتے ہیں۔ دراصل دسمبر ۲۰۱۸ء میں امریکی ذرائع ابلاغ میں ایسی خبریں شائع ہوئی تھیں جن کے مطابق امریکی صدر نے پنٹاگون کو نصف فوج کی واپسی کے احکامات دیے تھے۔ تاہم بعد ازاں حکومت نے اس کی تردید کردی۔ یہ ماننا پڑے گا کہ ڈونلڈ ٹرمپ امریکی فوجوں کی واپسی چاہتے ہیں، اسی لیے دوحہ میں امریکی نمائندوں نے طالبان سے کسی امن معاہدے تک پہنچنے کے لیے مسلسل مذاکرات کیے۔ یہاں تک

کہ کیمپ ڈیوڈ میں اہم خفیہ ملاقات کی اطلاعات آئیں۔اور پھر سات ستمبر کو مذاکرات کے خاتمے کا اعلان سرِعام اوراچانک کر دیا گیا۔

حیرت انگیز طور پر مشیر برائے قومی سلامتی جان بولٹن کو۱۰ستمبر۲۰۱۹ء کو برطرف کر دیا گیا۔ ڈونلڈ ٹرمپ نے بذریعہ ٹویٹ بتایا کہ ''مجھے ان کے بہت سے مشوروں سے سخت اختلاف تھا۔'' وہ قومی سلامتی کے تیسرے مشیر تھے،جنہیں برطرف کیا گیا۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امریکا کی خارجہ پالیسی دباؤ میں ہے۔جان بولٹن طالبان کو رعایت دینے یا ان سے مذاکرات کرنے کے مخالف تھے۔کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنا حلقہ قائم کر رکھا تھا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکا کے بالائی طبقے میں افغانستان میں رہنے کے حوالے سے اختلافات خاصے ہیں،اور کیوں نہ ہوں۔جیسا کہ بیان کیا گیا ہے حالات تضادات کی تصویر پیش کرتے ہیں۔

امریکا سے مذاکرات کی منسوخی کے بعد افغان طالبان کے وفد نے چین سے ملاقات کی۔چین اُبھرتی ہوئی علاقائی طاقت کے زمرے سے نکل کر عالمی طاقت بننے کی راہ پر گامزن ہے،کم از کم اتنا تو کہا ہی جاسکتا ہے کہ پہلے سے موجود عالمی طاقت امریکا اس کے اُبھرنے سے تشویش میں مبتلا ہے۔بالخصوص ٹرمپ انتظامیہ نے معاشی اور عسکری میدانوں میں ایسے اقدامات کرنا شروع کر دیے ہیں جن کا مقصد چین کو روکنا ہے۔ایسے میں چین بھی عسکری نہ سہی معاشی اور سیاسی میدان میں اپنے آپ کو منوا رہا ہے۔تمام علاقائی قوتیں اس حقیقت سے آگاہ ہیں۔

پس اکتوبر۲۰۱۸ء میں قطر کے دارالحکومت دوحہ میں جن مذاکرات کا آغاز ہوا تھا ان کی منسوخی کے بعد چینی وزارتِ خارجہ کے ترجمان نے بتایا کہ طالبان وفد اور ان کے وزارت کے مابین افغانستان میں قیامِ امن کے عمل کو آگے بڑھانے پر بات ہوئی۔اس بارے مزید تفصیلات سے آگاہ نہیں کیا گیا۔دوسری جانب دوحہ میں طالبان ترجمان نے ٹویٹ کے ذریعے بتایا کہ ملا برادر کی قیادت میں نو ارکان پر مشتمل وفد نے بیجنگ کا سفر کیا اور چین میں افغان امور کے نمائندۂ خصوصی سے ملاقات کی۔

ترجمان کے مطابق چین کے خصوصی نمائندے نے بتایا کہ امریکا طالبان معاہدہ افغان مسئلے پر ایک اچھا فریم ورک فراہم کرتا ہے اور وہ اس کی حمایت کرتے ہیں۔اس ملاقات سے۱۰روز قبل طالبان کے وفد نے ماسکو میں روسی حکام سے ملاقات کی تھی۔علاوہ ازیں امریکا سے مذاکرات کے دوران بھی طالبان چین سے رابطے میں تھے اور جون میں ان کے ایک وفد نے چینی حکومت کے نمائندوں سے ملاقات کی تھی۔

چین افغانستان میں امن اور استحکام چاہتا ہے، اور ساتھ ہی امریکی موجودگی کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔چین کے لیے افغانستان کی اہمیت کا ایک سبب سنکیانگ ہے۔اس نیم خودمختار علاقے کی سرحد افغانستان سے ملتی ہے اور چینی حکومت یہاں انتہاپسندی کو خطرے کے طور پر پیش کرتی نظر آتی ہے۔چین چاہتا ہے کہ ایسا حل سامنے آئے جس سے افغانستان کی سرزمین اس کے ہاں مسائل میں اضافے کا سبب نہ بنے۔

امریکا طالبان مذاکرات پر اتنی زیادہ توجہ مبذول رہی کہ افغانستان میں صدارتی انتخابات پر گویا پردہ پڑ گیا۔۲۰۰۱ء میں طالبان حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد یہ چوتھے صدارتی انتخابات ہیں۔جوں ہی مذاکرات کی منسوخی کی اطلاع عام ہوئی ان کی اہمیت کو چار چاند لگ گئے۔اگر مذاکرات کامیاب ہوتے تو ایک عبوری حکومت بنتی جس کے امکانات انتخابات نے مخدوش کر دیے ہیں۔

افغان طالبان امریکی افواج کی واپسی چاہتے ہیں، وہ کابل میں قائم حکومت کو کٹھ پُتلی سمجھتے ہیں۔ان کے خیال میں انتخابات سے افغانستان پر امریکا کا غلبہ قائم رہے گا۔اپنی پُرتشدد کارروائیوں میں انہوں نے انتخابی عمل کو بھی نشانہ بنایا ہے اور

آئندہ بھی بنانے کی دھمکی دی ہے۔افغان انتخابات کی گہما گہمی کے خاتمے،اوراس کے نتائج کے بعد مذاکرات کے دوبارہ شروع ہونے کے امکانات بہرحال ہیں کیونکہ گزشتہ انتخابات کے بعد طالبان کی قوت کم نہیں ہوئی۔ پاکستان کے افغان طالبان پر جُزوی اثر کے باعث کسی مذاکراتی عمل میں اس کے شامل ہونے کے قومی امکانات ہیں۔

انسانی حقوق، حقوقِ نسواں اور جمہوریت جو افغان طالبان کی رائے اور ان سے متصادم ان کے اقدامات کو تنقید کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے لیکن سرِ دست صورتِ حال یہ ہے کہ وہ ایک قوت ہیں، امن کے لیے یا تو اس قوت سے مذاکرات کیے جائیں یا کسی طرح ان کی قوت کو زائل کر دیا جائے۔

اداکار عابد علی

امتیاز احمد تارڑ

دنیا میں آنا درحقیقت آخرت کی طرف رخت سفر باندھنے کی تمہید ہے،اس عالمِ رنگ و بو میں آنے والے ہر ذی روح نے آخرت کے جام کو پینا اورقبر کی اندھیری کوٹھری میں داخل ہونا ہے۔ یہ ایک ایسا اٹل قانونِ قدرت ہے،جس سے کسی کو اختلاف نہیں۔ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور ہم ہر روز اس کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔لیکن دنیاوی چمک میں پھر آخرت کو بھول جاتے ہیں۔

موت کو بھول گیا دیکھ کے جینے کی بہار
دل نے پیشِ نظر انجام کو رہنے نہ دیا

اگر ہم دنیا کا بغور جائزہ لیں تو یہ دنیا ہمیں مرقعِ عبرت،افسانہِ حسرت، اور آئینہِ حیرت کے روپ میں نظر آتی ہے۔دنیا کے سٹیج پر جن عظیم بادشاہوں نے جاہ وجلال کے جلوے دکھائے۔جن لوگوں نے دنیا کی آرائش وزیبائش کو چار چاند لگائے ،وہ بھی نہ رہے۔لوگوں کے چہروں پہ مسکراہٹیں بکھیرے والے بھی سب کو اداس چھوڑ کر چلے گئے۔ کچھ دوستوں کی وفات پر پیاروں کے قدم لڑکھڑا گئے۔ مسکراہٹوں کی جگہ ویرانیوں نے لے لی،رو،رو کر آنکھیں بے نور ہو گئیں۔آہ! موت بہت بے پرواہ ہے، پوچھتی بھی نہیں کہ کس کو کھاؤں؟ جس جس کو کھانا ہوتا ہے پہلے ہی چھانٹ لیتی ہے، پھر بنا پوچھے، خاموشی سے آتی ہے اور اسے لے کے چلتی بنتی ہے۔ موت برحق ہے، جس کے آگے کسی کا زور نہیں چلتا۔اس کا ذائقہ ہر کسی کو لازمی چکھنا ہے۔

حال ہی میں ایک ہنس مکھ اداکار عابد علی سب کو اداس چھوڑ کر اس جگہ چلے گئے، جہاں ہم سب نے جانا ہے۔ عابد علی ۲۹ مارچ ۱۹۵۲ء کو کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ وہ پاکستانی ٹیلی ویژن اداکار تھے،انھوں نے لالی وڈ کے ساتھ ساتھ بالی وڈ فلموں میں بھی کام کیا تھا۔سکول کے دنوں میں ان کی توجہ تحریر اور مصوری کی طرف رہی تاہم ۱۹۶۹ء میں کالج کے دنوں میں انھوں نے ریڈیو پر اپنی کرشماتی آواز کے سحر سے سب کو متاثر کر دیا۔۱۹۷۳ء میں وہ لاہور چلے آئے جہاں پاکستان ٹیلی ویژن پر اپنی قسمت آزمانے کی کوشش کی اور بالآخر وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔انھوں نے اداکارہ حمیرہ علی سے شادی کی جو متعدد ڈراموں میں کام کر چکی ہیں۔ان کی تین بیٹیاں ہیں جن کے نام ایمان علی،مریم علی اور رحمہ علی ہیں۔ عابد علی نے حمیرہ علی سے علیحدگی کے بعد اداکارہ رابعہ نورین سے شادی کر لی تھی۔ عابد علی کو امجد اسلام امجد کے لکھے ہوئے ڈرامے" وارث" سے شہرت ملی، اس کے علاوہ عابد علی نے سینکڑوں ٹیلی ویژن ڈراموں اور درجنوں فلموں میں اداکاری کے جوہر بھی دکھائے۔ پاکستان کی ڈرامہ انڈسٹری پر چار دہائیوں تک راج کرنے اور ہر کردار میں سمو جانے کی صلاحیت رکھنے والے عابد علی اپنے فن کے ماہر تھے۔ڈائیلاگ کے دوران چہرے کی بناوٹ اور تاثرات کردار کے عین مطابق اختیار کرتے پھر لہجہ وتلفظ اس انداز سے ادا کرتے

جیسے وہ قطار در قطار ہاتھ باندھے ان کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ اپنی منشا کے مطابق اس میں سے کوئی لفظ چن کر استعمال کر رہے ہوں۔ ان کی پہلی فلم ''خاک اور خون'' ۱۹۷۹ء میں ریلیز ہوئی۔ جب کہ حال ہی میں ریلیز ہونے والی ''ہیر مان جا'' ان کی زندگی کی آخری فلم ثابت ہوئی۔ جو مزاح اور ایکشن سے بھرپور ہے۔ جو دیکھنے والوں کو ہر گزرتے لمحے کے ساتھ تجسس میں مبتلا کر دیتی ہے کہ اب اس کے بعد کیا ہونے والا ہے، کچھ مزاحیہ لمحات کے بعد ایکشن سے بھرپور مناظر اور دلفریب دھنیں دیکھنے والوں کو ایک الگ ہی ماحول میں لے جاتی ہیں۔ فلم کی کہانی انڈسٹری میں نئے قدم رکھنے والے اولیس کورائی بلوچ نے تحریر کی ہے۔ جو قابل داد ہے۔ فلم میں حریم فاروق اور علی رحمان نے مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ عابد علی ''ٹوٹے ہوئے تارے'' میں بھی جلوہ گر ہوئے تھے۔ اداکار عابد علی نے ۷۰ سے ۹۰ کی دہائی تک پی ٹی وی کے کئی مقبول ڈراموں میں کام کیا۔ اس دور کے ڈرامے آج بھی اپنی افادیت اور مقبولیت قائم رکھے ہوئے ہیں، جن میں وارث، پیاس، دوریاں، دشت، مہندی، دیار دل اور دیگر شامل ہیں۔ پاکستان میں جب نجی ٹیلی ویژن نے قدم رکھا تو عابد علی نے ان چینلز پر بھی کئی ڈراموں میں اداکاری کے علاوہ ہدایت کاری بھی کی۔ عابد علی کی بے پناہ صلاحیتوں کی بنا پر صدرِ پاکستان نے انھیں ۱۹۸۵ء میں پرائڈ آف پرفارمنس سے نوازا۔ وزیراعظم عمران خان کے خلوص اور وطن سے محبت کے باعث انھوں نے حکمران جماعت پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ لیکن ایک بڑی افسوس ناک بات ہے کہ ہمارے فنکار اور اداکار ساری زندگی لوگوں میں خوشیاں بانٹنے کے باوجود آخری وقت میں کسمپرسی کی حالت میں اگلے جہاں چلے جاتے ہیں۔ جو قابل افسوس ہے۔

لوگ اپنے ہیروز کے ہمیشہ مداح رہتے ہیں لیکن ہمارے ہاں لوگ تب تک فنکاروں کے مداح ہوتے ہیں جب تک وہ تندرست اور صحت مند ہوتے ہیں، بڑھاپا آنے پر وہ آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔

ایک سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ آخر فنکار اتنی کسمپرسی میں کیوں مرتے ہیں؟ کئی فنکاروں نے بے حد غربت میں زندگی کے آخری دن کاٹے ہیں۔ علاج معالجے کے لیے ان کے پاس کوئی پیسہ ہی نہیں تھا۔ کس کس کا نام گنواؤں؟ ہزاروں، ادیب، شاعر، گلوکار، موسیقار، فنکار، اسی طرح علاج

معالجے کے لیے مجبور، غربت و افلاس کے ہاتھوں پریشان، ایڑیاں رگڑ رگڑ کر رخصت ہوئے ہیں، لیکن وزیراعظم عمران خان نے آتے ہی ایسے تمام افراد کی مشکلات حل کر دی ہیں۔ انصاف صحت کارڈ کے اجراء سے اب ادیبوں، فنکاروں اور موسیقاروں کو علاج کی مفت سہولت مہیا ہوگی۔ یار لوگوں اور کالم لکھنے والوں نے شدید جذباتی سطریں گھسیٹیں، اربابِ حل وعقد کے در پر دستک دی، جس بنا پر اب مسائل بہت حد تک آسان ہو چکے ہیں۔

بہرطور فن کاروں کے بارے میں ہمارے معاشرے کا عمومی رویہ بڑا عجیب ہے

کوئی یادِ ماضی کا مارا، فنکاروں کو ڈھونڈتا، بھاٹی، لاہوری اور ناظم آباد کی گلیوں میں

جا نکلتا ہے، غربت و افلاس سے جھولتے، ماضی کے جھلملاتے ستارے کے ساتھ سیلفی لیتا ہے تو سوشل میڈیا پہ ایک غبار سا اٹھتا ہے۔ باتوں کے طوطا مینا بنائے جاتے ہیں، لائیکس کے بٹن دبائے جاتے ہیں۔ مقصد صرف اپنی جوانی اور بچپن کی یادوں کو تازہ کرنا ہوتا ہے۔ جیسے اس زمانے میں ان لوگوں کے کام سے لطف لیا جاتا تھا اور بس، ایسا کیوں ہے؟ فنکار کون لوگ ہوتے ہیں اور ان پہ یہ پتا کیوں پڑتی ہے؟ ہم یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے سیدھی سی بات ہے کہ فنکار، ادیب، شاعر، موسیقار، گلوکار اور اداکار سب کے سب عام انسانوں کے سانچوں سے ذرا مختلف ہوتے ہیں۔ ان کو بستر سے لگے دیکھ کر ہماری جانے کون سی حس کی تسکین ہوتی ہے۔؟

پھر سب اپنے اپنے معمول پہ لوٹ جاتے ہیں **اور زندگی رواں دواں ہو جاتی ہے** یہاں تک کہ ایک اور خبر آتی ہے کہ فلاں فنکار اب ہم میں نہیں رہا۔ فنکار کسی بھی معاشرے میں اس لیے پیدا ہوتے ہیں کہ اس معاشرے کے لوگ کہیں اپنی زندگیوں کی بے رنگی سے تنگ آ کر مر ہی نہ جائیں۔ ان لوگوں کو عام لوگوں کی طرح دو جمع دو چار کرنے نہیں آتے۔ زندگی ان کے لیے ہمیشہ سوا کا پہاڑا بنی رہتی ہے۔ گھر کا خرچ اور آمدن کبھی برابر نہیں ہوتے۔ بیمار ہوتے ہیں تو علاج نہیں ہو سکتا، بڑھاپے میں پنشن نہیں ہوتی۔ جب تک کام چلتا ہے دال روٹی چلتی ہے۔ جب کام کرنا ختم کیا، فاقہ دروازے پہ دانت نکوسے آ کھڑا ہوتا ہے۔ ڈرامہ، انڈسٹری بنا تو اس سے وابستہ افراد کے حالات کچھ بہتر ہوئے لیکن اشاعت کا شعبہ صنعت ہونے کے باوجود ادیبوں کے حالات نہ بدل سکا۔ سٹیج کا حال سب جانتے ہیں۔ یہاں بھی معاشیات کا چابک سب کو ناچتے چلے جانے پہ مجبور کر رہا ہے۔ آج ڈرامہ انڈسٹری، ادیبوں، اداکاروں، شاعروں، گلوکاروں اور ڈائریکٹرز کے لیے بظاہر خوشحالی لائی

ہے لیکن جب تک قلم چل رہا ہے، ہاتھ چل رہا ہے، پیسہ آ رہا ہے۔ بڑھاپے میں کیا ہوگا؟ کوئی پنشن؟ کوئی اولڈ ایج بینیفٹ؟ کوئی رائلٹی؟ کیا کچھ بھی میسر ہوگا؟ رائلٹی کا تو پوچھیں ہی مت۔ وہی پبلشر، جو خود کسی ادارے سے کلرک ریٹائر ہوتا ہے، چند سال میں ادیبوں کی کتابیں چھاپ کر فیز فائیو میں منتقل ہو جاتا ہے لیکن ادیب کو اگر اس کی بیوی یا شوہر یا اولاد یا ماں باپ کی طرف سے مکان نہ ملا ہو تو وہ ساری عمر بے گھر ہی رہتا ہے۔ ان حالات سے معیار متاثر ہوتا ہے اور پھر معیاری تفریح کے لیے لامحالہ دوسری زبانوں اور ملکوں

کے کام کی طرف توجہ جاتی ہے۔ اس صورت حال کا منطقی نتیجہ اپنی ثقافت کا زوال ہے۔ ماضی کی نسبت موجودہ حکومت فنکاروں کی فلاح بہبود پر توجہ دے رہی ہے۔ امید ہے حکومتی کوششوں سے مستقبل کے حالات بہت بہتر ہوں گے۔

عابد علی کی بیٹی اداکارہ رحمہ علی نے انسٹا گرام پر اپنے والد کا ہاتھ تھامے ایک تصویر شیئر کرتے ہوئے یہ تحریر کیا کہ ''میرے ہاتھوں میں میرے باپ نے اپنی آخری سانسیں لیں'' عابد علی کو یرقان کی شکایت پر ہسپتال لے جایا گیا تھا جہاں ڈاکٹروں نے انھیں جگر کے کینسر کی تشخیص کی، جس کے بعد وہ لاہور اور پھر کراچی میں زیر علاج رہے۔ ان کی بیٹی رحمہ علی نے والد کے ساتھ انسٹا گرام سٹوری میں لکھا تھا کہ ''پاپا گزشتہ دو ماہ سے شدید بیمار ہیں۔ تمام تر علاج اور ادویات بروئے کار لائی گئی ہیں، تسبیح اور سورہ رحمان کا ورد بھی کیا گیا لیکن ڈاکٹروں نے اب حتمی رائے دے دی ہے کہ وہ ان کی زندگی بچانے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے''۔ پاکستان کے نامور ٹی وی اداکار عابد علی کا شدید علالت کے بعد ۶۷ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ عوام کے دکھ اور درد کو دور کر کے انھیں خوشیاں دینے والا عابد علی آخر اپنے خاندان سمیت لاکھوں مداحوں کو دکھ دیکر اس جہاں میں چلا گیا جہاں ہم سب نے جانا ہے۔ آہ! کتنا بے بس ہے انسان۔

گلوبل پنڈ

محمد نواز طاہر

وہ آیا گلی میں ایک نکڑ کبھی آگے اور کبھی وسط میں، شرارت انجوائے کرتے تھرکتے جسم سے لہراتا ہوا ایک طرف ہوگیا، کسی نے گالی دی اور کسی نے مسکراہٹ...... پھر اسی نے ویسے ہی ایک گلی کا انتخاب کیا، پتھر کی بدلی ہوئی شکل چھینکی اور کسی کو بُری لگی تو کسی نے فلک شگاف تحسین سے نوازا۔ بس فرق اتنا پڑا کہ اب کے بار''پتھر'' مار کر انجوائے کرتا بھاگا نہیں بلکہ متانت، اور فخر کے ساتھ وہیں جھوم گیا، اس کی گلی کا نام بھی گلی سے گگلی قرار پا گیا اور اسے اوئے سے ارے پکارا گیا۔ اب نہ اس کی ہوائی چپل ٹوٹتی اور نہ ہی بوٹ خریدنے کی فکر لاحق ہوتی، اس کا پہنا ہوا کپڑا برانڈ قرار پانے لگا جبکہ وہ ہوتا بھی سادہ۔ اب پیارے حافظ جی، یار دوست ''اوئے حافظا کمال کیتا ای'' اور بہت سے آوازیں قادر بھائی زندہ باد جبکہ نشریئے میں 'دی گریٹ قادر، کے نام سے اُٹھتیں آوازیں ہر سُو پھیلتیں......

جی ہاں! یہ لاہور کے ایک عام علاقے (دھرم پورہ) کا عام سا بچہ قادر سے حافظ عبدالقادر، دنیا کا گگلی ماسٹر عبدالقادر ہے، جو اِس وقت میٹھی ابدی نیند سو رہا ہے۔ (انا للہ وانا الیہِ راجعون)۔

یہ الفاظ لکھتے ہوئے مجھے اسی کی دہائی کے اوائل کی ایک خنک چمکتی دوپہر میں روشن ستارے کی دوہتڑ نما تھپکی اور الفاظ چند سیکنڈ پہلے آنکھوں اور کانوں سے ٹکراتے محسوس ہو رہے ہیں جب ریلوے واشنگ لائن کے عقب میں واقع کارسن گراؤنڈ میں علی بہادر نے دوسری بال پر ایک بہترین بلے باز کو بولڈ کیا تو مجھ جیسے بارہویں فیلڈر کھلاڑی اور''نورے'' (پھاڈی، ریلُو کٹا) نے تین گیندیں کھیلیں، چوتھی گیند کو بیٹ سے لگنے کی ہمت نہ پڑی اور چھٹی بول پر بہادر نے تیسری وکٹ گرا کر میچ ہی ختم کرا دیا، جب وہ باہر نکلا تو بڑے بھائی نے دوہتڑ نما تھپکی دیتے ہوئے کہا کہ چھٹی بال ہی حقیقی بال تھی، دوسری بال پر گرنے والی وکٹ بلے باز ادریس کی بیوقوفی تھی اور اس کے بعد کی تین گیندیں احمقانہ تھیں، یہ عبدالقادر کی اپنے چھوٹے بھائی علی بہادر کی کوچنگ تھی۔ اس کے بعد علی بہادر اور نہ ہی عبدالقادر سے ایسے ماحول میں کبھی بھی ملاقات ہوئی۔ بس اتنا یاد ہے کہ دھرم پورہ کے علاقے میں آخری شرارتوں کا وقت انیس سو پچاسی میں حضرت میاں میر سرکار کا عرس اور میلہ تھا جہاں بھاگتے ہوئے ہمارا ایک ساتھی گر گیا تھا جسے مٹھائی کے عارضی سٹال والوں نے دبوچ تو لیا تھا لیکن عبدالقادر نے یہ کہہ کر چھڑا دیا تھا کہ شرارتیں تو اس عمر کا حسن اور یادیں ہوتیں ہیں، عبدالقادر کی اس نوازش کا ہم لوگوں نے چھپ کر نظروں سے اور محمود نے باقاعدہ قادر بھائی آپ کی بڑی مہربانی کہہ کر پھر دوڑ لگا دی تھی۔

عبدالقادر ۱۵ ستمبر ۱۹۵۵ء کو قیامِ پاکستان کے کچھ عرصہ بعد ہی صوابی سے لاہور منتقل ہونیوالے امام مسجد حافظ سید قدیم کے گھر پیدا ہوئے، تب دھرم پورہ لاہور کا جزوی مضافاتی عام علاقہ اور میاں میر سرکار کے مزار سے ملحقہ تھا، عبدالقادر جس مسجد سے ملحقہ گھر میں پیدا ہوئے وہ میاں میر گاؤں جیسی منظّم نہیں بلکہ سرکاری دستاویزات میں کچی آبادی قرار پانے والے جیسی آبادی تھی۔ جس کے ایک جانب چھاؤنی دوسری جانب نہر کے دونوں اطرف زمان پارک، مال روڈ سے مشرقی جانب کچھ کوٹھیاں اور نہر کے دوسری جانب ریلوے کے افسروں کے ٹھاٹھ باٹھ والے بنگلے، بغل سے میو روڈ (علامہ اقبال روڈ) لاہور کو شہر اور چھاؤنی کے علاقوں میں تقسیم کرتی گذرتی تھی۔ پورے علاقے کی معروف اور مصروف ترین کتابوں کی دکان لالہ بُک

ڈپوتھی۔

یہی گلیاں عبدالقادر کے قینچے جیسے بچوں کے روایتی کھیلوں کا مرکز تھیں۔گھریلوخوشحالی ایسی نہیں تھی کہ قادر لالہ قادراور قادر بھائی اور پوری دینا کاعبدالقادر بن پاتا۔ جیسے حالات تھے تعلیم کا حصول بھی ویسا تھا لیکن والد کا شوق علم دوستی کی مثال اوران کے اپنے اعلیٰ اخلاق جیسا بلند تھا،تب نجی سکولوں کا بھی بہت زیادہ رجحان نہیں تھا جو کچھ تھے وہ بھی قومیائے جاچکے تھے،سرکاری سکولوں میں کوشش کرکے بمشکل جیسے تیسے میٹرک کیا۔کرکٹ کی ابتداء دیکھا دیکھی ٹال سے لکڑی کاٹکڑا چرا کر گول ترچھے، چپٹے ڈنڈے سے کی اور وہ بھی چوری چوری ۔پھر جب چوری پکڑی گئی تو پوری دنیا میں ڈنکا بجنے لگا۔ عالمگیرشہرت کے باوجود سادگی غالب رہی،کسی سے رومانس نہیں کیا جبکہ خواہشمندوں کی ایک تعداد موجود تھی جس کی وجہ عالمگیر شہرت کے ساتھ ساتھ بحثیت مجموعی سادگی،سنجیدگی اورشرمیلا پن تھا،یارلوگ مذاق اڑاتے اسے کچھ اورنام دیا کرتے تھے،نہ بچپن کے دوست گنوائے نہ کبھی ان کے مذاق پر بُرا منایااوراسکینڈلز سے پاک زندگی گذری۔

بچپن کی یادیں تازہ کرتے،آسمان کی طرف دیکھتے،سر جھکا دیتے اور اللہ کا شکرادا کرتے،البتہ فقرے کبھی کبھی خوب چست کرتے۔اس خوبی سے کم لوگ وقف ہیں۔ہاتھ میں گیند بلا اور دماغ میں ادب...... عجیب کمبی نیشن ہے...... چندخوش نصیب ہونگے جنہوں نے عبدالقادر سے شعر سنے ہونگے، غالب یا اقبال، یاخون ان کا اپنا کلام ...... جی ہاں! ایک خاتون شاعرہ سے اصلاح لی،مسودہ تیارتھا،پبلیشر کوئی قابلِ اعتمادنہیں ملا نہ زندگی نے مہلت دی،خاتون شاعرہ کے ماسوا کسی نے وہ کلام نہیں سنا،ماسوائے ان پرانے دوستوں کے جنہیں ادب سے شغف بلکہ آشنائی ہی نہیں۔اپنی بات دل میں رکھنے پرملکہ تھا،اس لئے کتاب شائع ہونے تک تشہیر بھی چاہتے تھے،اسی شرط پرخاتون شاعرہ نے اصلاح کی حامی بھری تھی۔(آف دی ریکارڈ نام،مقام امانت ہیں وہ راز سینے میں ہی راز رہنا چاہیے۔البتہ ان کے خاندان کو کتاب شائع کرنے کا حق حاصل ہے،یہ الگ بات کہ مسودہ کہاں اورکس حالت میں ہوگا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اصلاح شدہ مسودہ انہیں واپس کیا جاچکا تھا)

عبدالقادر اپنی کرکٹ یوں بیان کرتے ہیں۔

کہ دیگر ہم عمرلڑکوں کے ساتھ مل کرلکڑی چوری کرتے جیسے بیٹ کے طور پر استعمال کرتے۔پلاسٹک کے لفافوں میں کپڑوں کی کترین بھر کر گیند بناتے اورگلیوں میں کھیلا کرتے تھے،ایکروزمیرے ایک دوست نے کہا کہ ٹیم میں ایک کھلاڑی کم ہے،آپ ہماری طرف سے کھیلیں۔میں چپل گھسیٹتا اس کے ساتھ چل پڑا جبکہ میں نے کبھی کرکٹ میچ نہیں کھیلا تھا۔گیند وکٹوں کو لگا تو آؤٹ،کیچ ہوا تو بھی آؤٹ اور اگر ہٹ لگی تو بھاگ کر رنز بنانے ہیں جیسی بنیادی باتیں بتا کر مجھے اوپننگ پر بھیج دیا گیا،پہلی ہی گیند پر میں بولڈ ہوگیا، باہر آنے لگا تو آواز آئی کہ یہ تو ٹرائل بال تھا،آپ کھیلیں۔میں دوبارہ کریز پر کھڑا تو ہوگیا لیکن اگلی گیند پر پھر بولڈ ہوگیا تو پہلی گیند جیسے فیصلے کے انتظار میں کھڑا رہا مگراس بار باہر بھیج دیا گیا۔میں سارا دن صفر پر آؤٹ ہونے پر شرمندہ سارہا۔اچھی کرکٹ کھیلنے والوں کی نمازیوں سے تعریف سنتا تو کرکٹ کھیلنے کی خواہش پیدا ہوتی مگر کرکٹ سے والدگرامی کی نفرت،ان کا غصہ،اور اپنے حالات دیکھ کرخاموش رہتا لیکن خواہش بڑھتی رہی چنانچہ گلی کے سارے کھیل چھوڑ کر گراؤنڈ میں نیٹ سیشن کو جوائن کر لیا۔زور دار بلے بازی اور باؤلنگ کے باعث مجھے ٹیم میں شامل کرلیا گیا ایک اتوار کوعبدالستار پی سی بی گراؤنڈ لے گیا جہاں تو ہرٹیم نے عبدالستار کو کھیلانے پر اصرار کیا لیکن مجھے مسترد کردیا۔اس نے میری زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے،میں نے نیٹ پر محنت کی انتہا کر دی۔وقت بدلا تو میری دھواں دار بلے بازی اور گھومتی گیندوں کے چرچے ہونے لگے۔میں عبدالستار کو پیچھے چھوڑنے کی دھن میں آگے آیا تھا،کھیلتے کھیلتے پی سی بی گراؤنڈ کا ہیرو بن گیا تھا۔ایک شام دھرم پورہ جم خانہ کلب کے کچھ عہدیدار میرے گھر پرآئے چندے کے بغیر اپنے کلب کی طرف سے کھیلنے کی پیشکش کی،اس کے بعد میں دن بھر محلے کی گلیوں اور قریبی میدان میں جا کر کرکٹ کھیلنے لگ۔میٹرک کے بعد کھیل کی بنیاد پر گورنمنٹ کالج میں داخلہ مل گیا وہاں میں ان پانچ کھلاڑیوں میں شامل تھا جو

ڈیڑھ ہزار میں سے چنے گئے تھے۔تو میں نے اپنے کالج کی طرف سے کھیلنا شروع کر دیا کرکٹ کھیلنا شروع کی تو میرے پاس کرکٹ کھیلنے کیلئے کٹ نہیں تھی پھر ایک مہربان نے مجھے لنڈا بازار سے ٹراؤزر خرید کر دیا۔ میری شہرت گورنمنٹ کالج کی اوول گراؤنڈ سے باہر نکلی تو سب سے پہلی نوکری واپڈا نے دی۔ مجھے، ۲۳۰ روپے ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی۔ پھر کچھ عرصہ بعد حبیب بینک نے ۵۰ ۷ روپے ماہانہ کی ملازمت کی پیشکش کی تو لگا کہ میں امیر ہو گیا ہوں۔

ایک موقع دیں میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔ کپتان نے ایک لمحہ سوچا اور بغیر جواب دیئے چلا گیا۔صبح نماز پڑھی، راہداری میں لگی ٹیم کی فہرست پر نظر ڈالی تو میرا نام شامل تھا۔اس میچ میں ہماری پوری ٹیم ۹۵ رنز پر آؤٹ ہو گئی جس میں میرے ۴۸ رنز شامل تھے۔ مجھے آخری اوور دیا گیا، میں نے اس اوور میں افضال احمد کو آؤٹ کر دیا جبکہ باؤلنگ دیکھ کر سبھی سینئر کھلاڑی ششدر تھے کہ ایک نوعمر نے وکٹ پر افضال احمد جیسے کھلاڑی کو گھما کر رکھ دیا ہے۔

کامیابی کی سیڑھیوں کا ذکر کرتے ہوئے عبدلقادر بتایا کرتے تھے کہ جب مجھے حبیب بینک کی طرف سے کھیلنے کا موقع ملا تب مدثر نذر، آغا زاہد، اظہر خان، سلطان رانا اور میانداد جیسے بڑے نام پہلے سے موجود تھے۔ بینک کی جانب سے پہلا میچ کھیلنے کے لئے جب کوئٹہ پہنچے اسٹیشن پر ایک سینئر کھلاڑی نے بڑی حقارت سے اپنا سامان ہوٹل پہنچانے کا حکم دیا، یہ بداخلاقی مجھے بُری تو لگی لیکن جواب بداخلاقی سے دینا تربیت میں شامل نہیں تھا، شام کو جب سولہ کھلاڑیوں کی فہرست میں اپنا نام نہ پا کر اداس ہو گیا، کپتان نے کیفیت دیکھ کر کہا کہ کیوں رنجیدہ اور سنجیدہ ہو؟ میں نے عرض کیا کہ کپتان صاحب مجھے

میں ہر روز نئی کامیابی پر اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا، سکندر علی بھٹو ٹورنامنٹ میں ایک میچ کھیلنے کو ملا مجھے چھ وکٹیں ملیں، اخبارات میں میری تصویر چھپی تو مجھے لگا جیسے میں ہواؤں میں اُڑ رہا ہوں۔ یہ گریڈ ٹو کا میچ تھا تب ڈان کے معروف سپورٹس صحافی حلیم احمد کا یہ جملہ میرے کان میں پڑا تھا کہ عبدالقادر کو ٹیسٹ کھیلنے سے پولیس بھی نہیں روک سکتی۔ بہاولپور کی مضبوط ٹیم کے خلاف پہلے فرسٹ کلاس میچ میں اپنے پہلے فرسٹ کلاس ۲۹ رنز بنائے جبکہ پوری ٹیم ۸۷ رنز پر آؤٹ ہوئی تھی اور میں ۱۷ رنز دے کر چھ کھلاڑیوں کو پویلین کی راہ دکھائی پھر اللہ نے مجھے کپتان بھی بنایا۔ انٹر کالجز کرکٹ ٹورنامنٹ کے فائنل میچ میں

۱۴۵ رنز بنائے اور ۷ وکٹیں بھی حاصل کیں جس پر گورنمنٹ کالج کے اصول کے تحت سنچری اسکور کرنے پر مجھے بھی بیٹ تحفے میں ملا۔ ۱۹۷۷ء میں پہلی مرتبہ پاکستان ٹیم میں نام آیا تو اپنا پہلا ٹیسٹ میچ قذافی اسٹیڈیم لاہور میں انگلینڈ کے خلاف کھیلا اور ٹیسٹ کیریئر کی پہلی گیند جیف بائیکاٹ کو کی جبکہ باب ولس کو آؤٹ کر کے پہلی وکٹ حاصل کی۔ پورے ٹیسٹ میں ۴۰ اوورز کیے، ۷۹ رنز کے عوض ایک ہی وکٹ ملی تو یہ سوچ کر کہ اب میری کرکٹ ختم ہوگئی ہے، میں نے انٹرکانٹینینٹل (موجودہ پی سی) ہوٹل سے اپنا بیگ اُٹھایا اور نیچے آنے کے لئے لفٹ کا بٹن دبایا کہ اتنے میں لفٹ کھلی اور اندر سے پاکستان کرکٹ ٹیم کے کپتان وسیم باری صاحب نکلیں استفسار پر میں نے بتایا کہ خوش بھی ہوں اور نہیں بھی، انہوں نے وجہ پوچھی تو کہا کہ میں زیادہ اچھی باؤلنگ نہ کرسکا۔ شاید اب میری کرکٹ ختم ہوگئی جس پر وسیم باری صاحب کہنے لگے میں تو تمہاری باؤلنگ سے بڑا خوش ہوں۔ تم نے تو انگلینڈ کے مضبوط بلے بازوں کو رنز بنانے سے روکے رکھا۔ لہٰذا اگلے دونوں ٹیسٹ میچ تو تم ضرور کھیلو گے یہ سُن کر لگا کہ اب میری زندگی بدل گئی ہے۔ انگلینڈ کے خلاف دوسرا ٹیسٹ میچ حیدرآباد میں تھا۔ میں نے ۴۴ رنز دے کر ۶ وکٹیں حاصل کیں تھیں تو مجھے مین آف دی میچ قرار دیا گیا۔ ۱۹۷۷ء میں ہی پاکستان ٹیم نے انگلینڈ کا جوابی دورہ کیا میں پاکستان ٹیم کے ساتھ انگلینڈ گیا لیکن بدقسمتی سے اَن فٹ ہوگیا۔ متانت کے ساتھ ماضی بیان کرتے ہوئے عبدالقادر بار بار اللہ تعالیٰ کا کرم جیسے الفاظ استعمال کرتے۔

پرانے یاروں میں بیٹھے بچپن یاد کرتے عبدالقادر ٹھوڑی کے نیچے تک گال کا زیریں حصہ سہلاتے، لمبی سانس لیتے، کہتے...... غربت میں آنکھ کھولی، مجھے فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسولؐ کی اُمت میں سے پیدا کیا مسجد کے ایک ڈیڑھ مرلے کے مکان بھی والد صاحب کے صبر وقناعت اور تربیت کی وجہ سے محل ہی لگتا تھا بچپن میں غربت اور فاقے دیکھے۔ جہاں روٹی نہ ہو وہاں تعلیم، تہذیب اور اخلاقیات کہاں سے آئے لیکن اتنی غربت کے باوجود ہمارے گھر میں ایمان کی دولت تھی۔ کچی (نرسری) جماعت میں محلے کے ٹاٹ والے سکول تعلیم کا آغاز کیا۔ دینی تعلیم اس سے پہلے ہی پنجگانہ نماز کے ساتھ شروع ہوچکی تھی ...... عارف ہائی سکول میں بھی پڑھا، پڑھنے میں دل نہیں لگتا تھا، وہاں کشش صرف صدیق کے چنوں کی تھی، بڑا دیانتدار ہمدرد، اور نیک نیت انسان تھا، یہاں سے زبیری ہائی سکول میں چلا گیا۔ یہ الفاظ ٹائپ کرتے ہوئے یقین سے تو نہیں کہہ سکتا کہ امان اللہ زبیری صاحب ایڈووکیٹ (مرحوم) نے عبدالقادر کو کونسی کتاب پڑھائی یا نہیں پڑھائی لیکن اتنا یاد ہے کہ جب زبیری صاحب نے سکول کے ساتھ ساتھ وکالت کا تجربہ کیا تو ان کے ساتھ سکول میں بھی ملاقات رہتی جہاں وہ مخصوص انداز میں بچوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا کرتے تھے'' اَوئے اُلو کے پٹھو، بندے بنو، اس سکول میں دیکھو عبدالقادر بھی پڑھتا رہا ہے اور دیکھو اس کا کتنا نام ہے، تم بھی وقت مت ضائع کرو، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ عبدالقادر اس (زبیری) سکول میں زیادہ لمبا وقت نہیں گزارا، یہ تو خود بچپن سناتے ہوئے عبدالقادر بتاتے ہیں کہ زبیری سکول کے بعد تھوڑی فاصلے پر ہی اقبال ہائی سکول میں داخل ہوا۔ یہاں بھی دل نہیں لگتا تھا۔ یہ خواہش اور کوشش ہوتی کہ کوئی باعزت ذریعہ معاش مل جائے، اسی سوچ میں پڑھائی سے دو قدم اور دُور ہوجاتا تھا اور صرف کھیل میں ہی دل لگتا تھا، وہی بچوں والے پرانے کھیل، باندر کلہ، بانٹے (قینچے) پٹھو گرم وغیرہ، یہ کھیل کھیلتے دیکھ کر ہی لالہ یونس نے میری زندگی میں رنگ بھرا، لالہ یونس کے لئے کلماتِ خیر کہتے ہوئے عبدالقادر بتاتے ہیں کہ۔ لالہ یونس نے مجھے کھیلتے دیکھا تو کہنے لگے کہ تم تو بہت اچھا کھیلتے ہو ان دنوں مجھے بیٹنگ کرنے کا جنون تھا۔ لالہ یونس نے پوچھا کہ بیٹا کیا تم پڑھتے بھی ہو تو میں نے کہا جی میں سکول میں پڑھتا ہوں۔ اتنے میں کہنے لگے کہ تم پرائیویٹ بھی پڑھا کرو تو میں نے ان کو بتایا کہ میرے گھر کے حالات اچھے نہیں ہیں میں تو سکول بڑی مشکل سے پڑھنے جاتا ہوں۔ میری باتیں سننے کے بعد لالا یونس نے کہا کہ بیٹا تم میرے گھر پڑھنے آجایا کرو میں تمہیں فری پڑھاؤں گا، پھر ایسا ہی ہوا اسی وجہ سے میں میٹرک کر سکا جبکہ عظیم درسگاہ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ سپورٹس کی بنیاد پر ہوا تھا۔

عبدالقادر کو بچپن کے یار بہت پیارے تھے، بچپن میں یاروں نے بھی انہیں بہت پیار کیا اگرچہ وہ عبدالقادر کے اُلٹے ہاتھ کی ہتھ چھٹ عادت کا کئی بار شکار بھی ہوئے اور یاد دلاتے تو جواب میں یہی سننے کو ملتا۔

''تسی بندے دے پُتر وی تے نئیں بندے سو'' پھر قہقہہ لگتا جیسے سبھی دوسری جماعت میں لطیفہ سن کر لوٹ پوٹ ہو رہے ہوں، تب عبدالقادر فلم بینی کے شوق کا ذکر کرتے ہوئے آوارگی کا الزام اپنے دوست سلیم پر دھرتے، اور

چور کہہ کر چھیڑتے، پھر جب وہ تپ جاتا تو اس کا شکریہ بھی ادا کرتے اور کہتے دیکھو یار میں تو چھیڑ رہا تھا، تمہاری وجہ سے ہی تو میں فلم دیکھنے کا شوق پورا کرتا تھا۔ ورنہ یہ شوق کئی دوسری حسرتوں کی طرح دم توڑ جاتا، تب سلیم بھی موٹا تازہ جملہ ادا کرتا اور پھر سے محفل کو زعفرانی تڑکہ لگ جاتا۔ عبدالقادر فلم بینی کے شوق اور سلیم کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کرتے تھے۔ بچپن میں مجھے فلمیں دیکھنے کا بہت شوق ہوتا تھا، جتنا شوق تھا، اتنی غربت، جب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہوتی تھی، تسکین بڑی مشکل تھی، میرے بہترین دوست سلیم نے یہ ذمہ داری اُٹھا رکھی تھی، ان کا اپنا ہوٹل تھا وہ اپنے ہوٹل کے غلّے سے پیسے نکالتا اور مجھے فلمیں وغیر دکھایا کرتا تھا۔ زندگی میں پہلی بار سنیما جا کر ''ماں پُتر'' دیکھی تھی جس کے مرکزی کردار سدھیر اور فردوس تھے۔ فردوس کی خوبصورتی اور اداکاری سے میں بے حد متاثر تھا، میں نے اپنی زندگی میں آج تک فردوس جیسی خوبصورت عورت نہیں دیکھی۔

نَٹ کھٹ عبدالقادر بچپن کی شرارتیں بھی بیان کر کے انجوائے کرتے تھے، مزے لے لے کر سناتے، بتاتے ہیں کہ میں محلے کی شرارتی ٹیم کا کپتان تھا۔ شرارت کرنے میں بھی لطف محسوس ہوتا تھا اور گالیاں سن کر بھی مزے لیا کرتے تھے، عبدالقادر اپنے الفاظ میں بتاتے ہیں۔

ہم تانگے کی سیر کے بڑے شوقین تھے، تانگے دھرم پورہ مین بازار میں کھڑے ہوتے تھے۔ محلّے میں سے کسی فیملی نے بھی کہیں جانا ہوتا تھا تو ہم بھاگے بھاگے جایا کرتے اور تانگے والے کو بلا لیتے تھے جس سے ہماری تانگے کی تھوڑی سی سیر ہو جاتی اس سے من نہیں بھرتا تھا، ہم نے نیا راستہ نکالا، ہماری شرارتی پارٹی اکٹھی ہوتی۔ مین بازار جاتی تانگے پر بیٹھتی، تانگہ محلے میں لے آتی اور سواریاں لے کر چلی جاتی، سواریاں کہاں سے آتیں؟ وہ تو تانگے

کی سیر کر کے دوسری گلیوں میں گم ہوچکی ہوتیں، تانگے والے انتظار کر کے لوٹ جاتے اور ہم میں سے جس کی ذمہ داری لگی ہوئی ہوتی تھی وہ رپورٹ کرتا کہ تانگہ چلا گیا ہے زور سے قہقہے لگاتے اپنے فتح کا جشن منایا جاتا۔ اس طرح ہم نے تقریباً سبھی تانگوں پر سیر کر لی تھی۔ ہماری اس حرکت سے سبھی تانگے والے نالاں تھے، محلے والے بھی خوش نہیں تھے، ہماری وارداتیں کب تک چلتیں؟ تانگے والوں نے ہمیں مزا چکھانے کا فیصلہ کرلیا جس کا ہمیں علم نہیں ہوسکا اور ہم منصوبے کے تحت پھر سیر کا شوق لیے مین بازار چل نکلے، ایک تانگے والے سے محلے کے اندر چلنے کو کہا تو اس نے بڑے پیار سے تمام بچوں کو بٹھا لیا۔ ہم بڑے مزے سے تانگے پر سیر کر رہے تھے کہ اچانک ہی کوچوان نے تانگے کو روکا تو ہم نے فوری طور پر تانگے سے چھلانگیں لگا دیں اور محلے کی گلیوں میں بھاگ نکلے ہم نے دیکھا کہ چار پانچ کوچوانوں نے ہاتھوں میں ڈنڈے پکڑے ہوئے تھے اور وہ ہمیں خوب گالیاں دے رہے تھے۔ لیکن ہم سبھی بھاگ جانے میں کامیاب ہوگئے، یوں تانگے والوں کی ہم سے اور ہمارے تانگے کی سیر کے شوق سے جان چھوٹ گئی۔ گھروں کو باہر سے کنڈی لگانے کی عادت بھی ایسی ہی چھوٹی، عادت کیا چھوٹی بس اس کام سے توبہ کرلی کیونکہ والد صاحب امام مسجد اور باعزت مقام رکھتے تھے، ان کی عزت کا ہمیشہ خیال رکھنا ہوتا تھا جبکہ والد صاحب تک شکایت پہنچ چکی تھی۔ لہٰذا شرارتی ٹیم کی کپتانی سے دل گرفتہ ریٹائرمنٹ لے لی۔ ہوا یوں کہ ہم اپنے محلے کی ایک گلی کا انتخاب کرتے، پھر اس گلی کے تمام گھروں کے دروازوں کو باہر سے کنڈی لگا دیتے اور پھر ہم تمام بچے ایک ایک کر کے تمام گھروں کے دروازے زور زور سے کھٹکھٹاتے جاتے اور آگے بھاگتے جاتے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ہمارے محلے میں ایک نہایت ہی شریف اور ایماندار بزرگ اللہ دتہ صاحب رہتے تھے ہم گھروں کی کنڈیاں لگا کر باہر سے زور زور سے دروازے کھٹکھٹا رہے تھے کہ اچانک اللہ دتہ صاحب کے گھر سے ان کی بیوی کی آواز آئی جو ہمیں گالیاں دے رہی تھی کہ اتنے میں اللہ دتہ صاحب نے اپنی بیوی کو چپ رہنے کو کہا اور با آواز بلند کہا ''شاباش حرام زادوں شاباش''۔ ہم گالیاں کھا کر بھی باز نہ آئے تو پھر محلے داروں نے ایک میٹنگ کی کہ بھئی یہ شرارتی پارٹی رات کو اتنے بجے تنگ کرتی ہے ان کو پکڑا جائے۔ ہمارا ایک دوست ہوتا تھا ان کے گھر کی دیوار کے ساتھ ایک امرود کا پیڑ تھا یہ دیوار تقریباً پانچ فٹ اونچی ہوتی تھی اس دوست کے والد صاحب اس دیوار کے ساتھ اندھیرے میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جیسے ہی ہم نے گلی میں سب گھروں کی باہر سے کنڈیاں لگائیں اور دروازے کھٹکھٹاتے ہوئے آگے بھاگے کہ دیوار کے قریب چھپا بیٹھا شخص ہمیں پکڑنے کے لئے لپکا کہ ہم بھاگ نکلے۔ اس دن اگر پکڑے جاتے تو خوب پٹائی ہونی تھی۔

پاکستان کرکٹ ٹیم کے میچ دیکھنے کے لئے ہم دو تین یا میں اکیلا دھرم پورہ سے قذافی سٹیڈیم پیدل پہنچا۔ وہاں ٹکٹ نہ ہونے پر پولیس والے گیٹ پر روک لیتے تو میں ایک طرف کھڑا ہوا ہوتا اور گیارہ بجنے کا انتظار کرتا، اس وقت ایف سی کالج کے لڑکے آتے تھے جو لائن میں کھڑے ہوتے میں بھی انہیں میں گھس جاتا اور ان میں سے کوئی دو ایک دھکا لگاتے اور پوری لائن ٹوٹ جاتی پولیس پیچھے ہٹ جاتی سبھی لڑکے اندر چلے جاتے یہ اسی گیٹ کی کئی بار کی کہانیاں ہیں اب جو مجھ سے منسوب ہے۔

عبدالقادر شاکر تھے شاکی نہیں تھے، لیکن جب انہیں کریدا جاتا تو وہ پھٹ پڑتے لیکن گفتگو بڑی مہذب اور محتاط کرتے تھے۔

بتاتے ہیں کہ جب کرکٹ کے شائقین کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے یہ معلوم ہوا کہ عبدالقادر بھی کوئی کرکٹر ہے اور باؤلنگ میں نئی طرف دی ہے تو میں بہت خوش ہوتا سینیرز بھی خوش تھے، کپتان بھی بڑے راضی تھی، اسی بنا پر مجھے برطانیہ کے دورے میں شامل کرلیا گیا لیکن بدقسمتی سے بازو خراب ہونے کی وجہ سے اَن فٹ ہوگیا تو مجھے مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ میں دو سال تک کرکٹ سے باہر رہا، ۱۹۷۹ء میں پاکستان ٹیم نے انڈیا کا دورہ کرنا تھا تب پاکستان کرکٹ بورڈ کے چیئرمین سچے، کھرے اور ایماندار شخص ایم اظہر صاحب بن گئے اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اس شخص نے آتے ہی اعلان کیا کہ جو لڑکا ڈومیسٹک کرکٹ کھیلے گا اور اچھا پرفارم کرے گا

وہی پاکستان ٹیم میں سلیکٹ ہو کر انڈیا جائے گا۔ میں نے پی سی بی لیگ میں شاندار باؤلنگ کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹاپ کیا، میرے بعد عمران خان کا نمبر تھا۔ ممبئی ٹیسٹ میں پاکستان کو فالو آن سے بچایا تھا۔ دونوں اننگز میں اسکور بنایا تھا۔ پانچ اوورز میں گنڈاپا وشواناتھ جیسے بہترین بلے باز کو آؤٹ کیا۔ لیکن اس کے بعد آصف اقبال صاحب نے مجھے مزید باؤلنگ نہیں کرائی بلکہ ماجد خان صاحب سارا دن باؤلنگ کراتے رہے۔ میں یہ سمجھ نہیں سکا کہ مجھے باؤلنگ

سے کیوں ہٹایا گیا تھا؟ انڈیا ٹور کے بعد اللہ نے بڑی کامیابیاں دیں، میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ مجھے میرے رب نے میری اوقات سے بڑھ کر نوازا۔ ویسٹ انڈیز کے اسپنر لارنس گبز نے ۳۰۰ وکٹیں حاصل کیں لیکن اس کے باوجود انگلینڈ میں ڈیوڈ فلپس نے ایک کتاب لکھی تو اس کے ٹائٹل پر میری تصویر دی۔

عبدالقادر بتاتے ہیں کہ ٹیسٹ میچ کھیلنے کے بعد میں ہوٹل واپس آ کر اپنے کمرے تک ہی محدود ہو جاتا تھا حالانکہ کرکٹ میچ کے بعد کئی کھلاڑی ڈسکو اور کئی مشروبات سے لطف اٹھاتے لیکن میں اپنے کمرے میں جا کر میچ کے بارے میں سوچتا رہتا تھا کیونکہ عمران خان کے ساتھ واحد میں ہی وہ باؤلر تھا جس نے سارا دن باؤلنگ کرنا ہوتی تھی۔ سنیل گواسکر، مائیک گیٹنگ، عمران خان، ایان بوتھم، مارٹن کرو، سچن ٹنڈولکر، رچرڈ ہیڈلی، مہندر امرناتھ، دلیپ وینگسارکر، گنڈاپا وشواناتھ، ایلن لیمپ، ویوین رچرڈز، گراہم گوچ، گلین ٹرنر میرے پسندیدہ کھلاڑی ہیں ان کے علاوہ بیری رچرڈ جیسا بہترین بلے باز نہیں دیکھا۔ جاوید میانداد بھی پسندیدہ بلے باز تھے، میرا کوئی آئیڈیل پلیئر نہیں تھا۔ میں تو اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے کر کے بنا تھا۔ مجھ میں کوئی ایسی بات نہیں تھی بس اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب حضرت محمدؐ کے صدقے مجھے عزت بخشی ورنہ میں اس کے قابل نہیں تھا۔ محنت کش حاسد اور بخیل نہیں ہوتا، عبدالقادر بھی کھلا ذہن رکھنے اور کرکٹ سے پیار کرنے والے تھے، وہ کرکٹر کو کرکٹر ہی سمجھتے تھے، کھیل میں مقابلے پر یقین رکھتے تھے، رہنمائی پر روک نہیں لگاتے تھے، جس نے پوچھا، جستجو کی، اس کی رہنمائی کی بھلا کیسا حریف کھلاڑی ہی کیوں نہ ہو، بتاتے ہیں کہ ۱۹۹۶ء میں کولمبو میں محمد اظہر الدین اور سچن ٹنڈولکر انیل کمبلے کو میرے پاس لے کر آئے تو انیل کمبلے تب

تک احترام میں کھڑا رہا جب تک میں نے اسے بیٹھنے کونہیں کہا۔ میں نے انیل کمبلے سے کہا کہ اگر میں آپ کے دل کی بات جوکہ تم مجھ سے پوچھنا چاہتے ہوتو بتا دوں تو پھر مانو گے۔ یہ جملہ سننے کے بعد اظہر الدین اور سچن ٹنڈولکر ہنس پڑے۔ میں نے انیل کمبلے سے کہا کہ تم مجھ سے یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ میرا گیند لیگ بریک کس طرح ہوسکتا ہے تو میرا جواب ہے کہ تمہارا گیند کبھی بھی لیگ اسپن نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا تم اپنی باؤلنگ میں ویری ایشن پیدا

کرو۔ اور اپنی طرف سے تم جو گیند لیگ بریک کرتے ہو اس کو فلپر کے طور پر استعمال کرو۔ اس نے میری باتوں پر عمل کیا اور پھر اس نے وکٹوں کے ڈھیر لگائے۔ اسی طرح شین وارن نے مجھ سے لیگ اسپن باؤلنگ کے فن کے بارے میں مفید باتیں پوچھی اور ان پر عمل کرتے ہوئے ٹیسٹ کرکٹ میں وکٹوں کا پہاڑ کھڑا کیا۔ مشتاق احمد، دانش کنیریا، ثقلین مشتاق، شاہد خان آفریدی، مرلی دھرن اور جنوبی افریقہ کی طرف سے کھیلنے والے لیگ اسپنر باؤلر عمران طاہر سمیت کئی نوجوان اسپنرز کو اسپن باؤلنگ کے گُر بتائے۔ اپنے متعلق دوسرے کرکٹرز کی دلچسپی اور کھیل کے اعتراف کی کا ذکر کرتے ہوئے عبدالقادر نے بتایا کہ سر ڈان بریڈمین نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ میں نیٹ پریکٹس پر عبدالقادر کو کھیلنا چاہتا ہوں۔ ایسے الفاظ میرے لئے بڑی عزت کی بات ہے۔ سر گیری سوبرز نے ٹیسٹ کرکٹر اظہر خان کو ایک ملاقات میں بتایا کہ ''عبدل'' کو کھیلتے ہوئے میں نے کبھی آنکھ نہیں جھپکی۔

عبدالقادر رومانوی تھے لیکن رومان پر گفتگو کھل کر نہیں کیا کرتے تھے بس ٹال ہی جایا کرتے تھے، ذرائع ابلاغ پر رومانوی گفتگو سے بہتا جتناب کرتے اور کہا کرتے تھے کہ مجھے کبھی کسی لڑکی سے عشق نہیں ہو بلکہ میں نے کبھی اپنی بیوی کو بھی (آئی لو یو) نہیں کہا۔ انٹرمیڈیٹ میں ہی تو کزن سے شادی ہوگئی اللہ نے چار بیٹے رحمان قادر، عمران قادر، سلمان قادر اور عثمان قادر دو بیٹیاں نور فاطمہ اور نور آمنہ عطا کیں۔

یار لوگ کہتے ہیں کہ (آئی لو یو) جیسے الفاظ عبدالقادر شرمیلے پن کی وجہ سے استعمال نہیں کرتے تھے حالانکہ اتنے شرمیلے نہیں تھے، انہیں رومانوی فلمیں بھی پسند تھیں، اور پھر جو شخص رومان پروری نہ ہو، جمالیات نہ پہچانے وہ شاعری کیسے کرسکتا ہے جبکہ عبدالقادر کی شاعری موجود ہے ایک مسودے کی شکل میں، کتاب شائع نہیں ہوسکی، مسودہ کہاں ہے، کتابی صورت میں کب شائع ہوگی، کیا ادب میں بھی کوئی گگلی ہے؟ یہ مسودہ یا کتاب سامنے آنے کی صورت میں جانا جاسکتا ہے، گہری ابدی نیند سوئے عبدالقادر دلوں میں دھڑکتے رہیں گے۔ کرکٹ کے آسمان پر درخشاں رہیں گے۔ اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

ہماری مطبوعات

نمبر شمار	مطبوعات	زبان	قیمت پاکستانی روپے	قیمت امریکی ڈالر
1	قائداعظم محمد علی جناح خطبات اور ارشادات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (مجلد)	انگریزی	150/-	$-05
2	قائداعظم محمد علی جناح خطبات اور ارشادات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (پیپر بیک)	انگریزی	150/-	$-05
3	قائداعظم محمد علی جناح خطبات اور ارشادات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (پیپر بیک)	اردو	350/-	$-17
4	قائداعظم محمد علی جناح (تصویری البم) 1876ء تا 1948ء (مجلد)	انگریزی	425/-	$-17
5	قائداعظم محمد علی جناح (تصویری البم) 1876ء تا 1948ء (پیپر بیک)	انگریزی	350/-	$-17
6	قائداعظم کے سنہری اقوال	انگریزی	100/-	$-04
7	اقوال قائد (پیپر بیک)	انگریزی	50/-	$-03
8	پاکستان کے بانی محمد علی جناح	انگریزی	400/-	$-15
9	جناح اور ان کا دور (از عزیز بیگ)	انگریزی	250/-	$-10
10	مادر ملت سرمایہ ملت	اردو	250/-	$-10
11	مادر ملت تصویری البم	اردو	250/-	$-10
12	پاکستان ہینڈی کرافٹس	انگریزی	200/-	$-04
13	پاکستان کرونولوجی 1947ء تا 2006ء (چھ جلدیں)	انگریزی	450/-	$-17
14	پاکستان کرونولوجی 1947ء تا 2006ء (پیپر بیک) (چھ جلدیں)	انگریزی	400/-	$-15
15	پاکستان دستکاریاں	انگریزی	250/-	
16	پاکستان، بنیادی حقائق	انگریزی	50/-	$-02
17	ابھرتا پاکستان ایک طائرانہ نظر	انگریزی	2000/-	$-120
18	پاکستان۔ فرام ماؤنٹینز ٹو سی (محمد امین۔ ڈنکن ویلٹس۔ گراہم بینکاک)	انگریزی	1000/-	$-20
19	پاکستان چینی مصوروں کی نظر میں (ین ینگ اینڈ ثو ہوا)	انگریزی، عربی فرانسیسی، چینی	500/-	$-20
20	انڈس فیسز اینڈ ہولڈز	انگریزی	2500/-	$-125
21	چھ شہروں کے کتابچے	انگریزی	60/-	
22	دلفریب جھیلیں	انگریزی	200/-	$-12
23	ٹرک آرٹ	انگریزی	200/-	$-08
24	گندھارا آرٹ ان پاکستان (از ڈاکٹر اے ایچ دانی)	انگریزی	100/-	$-04
25	مسلم آرٹ اینڈ ہیریٹج آف پاکستان (از ڈاکٹر اے ایچ دانی)	انگریزی	100/-	$-04
26	اسلامی معاشرتی اقدار	اردو	15/-	$-01
27	وحدت افکار (علاقائی شاعری سے انتخاب)	اردو	100/-	$-04

ہماری مطبوعات

نمبر شمار	مطبوعات	زبان	قیمت پاکستانی روپے	قیمت امریکی ڈالر
28	رحمت کا فرشتہ (عبدالستار ایدھی)	انگریزی	615/-	$-50
29	ماہ نو غالب (سپیشل ایڈیشن)	اردو	500/-	$-60
30	ماہ نو اقبال (سپیشل ایڈیشن)	اردو	350/-	$-17
31	ماہ نو قائداعظم (سپیشل ایڈیشن)	اردو	500/-	$-60
32	ماہ نو بیادِ فیض (سپیشل ایڈیشن)	اردو	500/-	$-60
33	ماہ نو احمد فراز (سپیشل ایڈیشن)	اردو	500/-	$-60
34	ماہ نو احمد ندیم قاسمی (سپیشل ایڈیشن)	اردو	400/-	$-60
35	ماہ نو جالب نمبر (سپیشل ایڈیشن)	اردو	500/-	$-60
36	ماہ نو جوش (سپیشل ایڈیشن)	اردو	400/-	$-60
37	ماہ نو انتخاب والیم-1 (سپیشل ایڈیشن)	اردو	400/-	$-60
38	ماہ نو انتخاب 2018 (سپیشل ایڈیشن)	اردو	400/-	$-60
39	ماہ نو سرسید احمد خان (سپیشل ایڈیشن)	اردو	400/-	$-15
40	ماہ نو منو بھائی (سپیشل ایڈیشن)	اردو	400/-	$-60
41	ماہ نو (ماہ نامہ)	اردو	100/- فی شمارہ	$-60
			1000/- سالانہ	
42	پاک جمہوریت ارفع کریم نمبر	اردو	10/-	
43	پاک جمہوریت (ماہ نامہ)	اردو	100/- فی شمارہ	$-60
			1000/- سالانہ	
44	پاکستان پکٹوریل	انگریزی	200/-	$-120

رابطہ برائے خریداری

مینجر: ڈائریکٹوریٹ جنرل آف الیکٹرانک میڈیا اینڈ پبلی کیشنز، بی-ایف بلڈنگ زیرو پوائنٹ، اسلام آباد، پاکستان۔ فون: 051-9252182 فیکس: 051-9252176